نزولِ رحمت

المعروف بہ

میلاد شریف

خواجہ محمد شفیع دہلوی

تخلیق مرکز ——— لاہور

نزولِ رحمت

المعروف بہ

میلادِ شریف

از:

خواجہ محمد شفیع دہلوی

ناشر:

تخلیق مرکز۔ ۳۳ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مُدّعا ـــــــــ اصلاحِ ملّت

آرزو ـــــــــ دُعائے خیر

تخلیق مرکز لاہور

ناشر:- ـــــــ محمد اکرم

تخلیق مرکز - لاہور

طابع:- ـــــــ مکتبات پرنٹرز لاہور

تعدادِ اشاعت:- ـــــــ ایک ہزار

سنِ اشاعت:- ـــــــ ۱۹۷۲ء

قیمت:- ۶ روپیہ ۵۰ پیسے

دیباچہ

تقریباً شادی کے ایک سال بعد میری بیوی نے لوبان سلگا۔ اگربتیاں روشن کر۔ چنگیر میں پھول بھر۔ ایک چھوٹی سی چوکی پر کتابیں رکھ۔ مجھے مولوی بنا کر بٹھا دیا۔ اور محلہ بھر میں اعلان کرا دیا کہ محفل میلاد ہے۔ میلے برقعہ اور پھٹے کپڑوں والی بہنیں جوق جوق آنی شروع ہوئیں اور کالے برقعہ اور سفید کپڑوں والی قطعاً تشریف نہ لائیں۔

مَیں نے میلاد پڑھنا شروع کیا۔ حقیقت ہے کہ سمجھنا تو درکنار مَیں اچھی طرح پڑھ بھی نہ سکا۔ بہرکیف کچھ یہاں سے پڑھا کچھ وہاں سے اور جوں توں کر کے ختم کر دیا۔

سب کے چلے جانے کے بعد مَیں نے بیوی سے پوچھا کہ یہ جو بہنیں آئی تھیں اُن کے پلّو میں بھی کچھ باندھ کر بھیجا یا خالی ہاتھ گئیں۔ بیوی نے جواب دیا لڈو۔ مَیں نے کہا لڈو اور تھوڑا سا ثواب بھی جو اس محفل کی شرکت سے ملا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تعلیم اسلام سے یہ بہنیں ایسی ہی تہی دست گئیں جیسی آئی تھیں۔

حقیقت یہ کہ مسلمان بہنوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو سوائے محفل میلاد کے اور کسی محفل میں شریک نہیں ہوتا۔ اور یہ طبقہ ہماری قوم کا جزو اعظم ہے۔ سو اگر

ان تک تعلیم اسلام پہنچانی ہے تو میلادِ نبویؐ ہی کے ذریعہ پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس رات مَیں نے تہیہ کر لیا کہ انشاءاللہ العزیز اس تخیّل کے تحت ایک میلادِ نبویؐ لکھوں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مَیں دِلّی کا سنبھالا چھپوا چکا تھا۔ بعدہٗ بفضلہ چار کتابیں اور شائع کیں۔ لیکن میلادِ نبویؐ کی نوبت نہ آئی۔ ارادہ موجود تھا پر جامۂ عمل سے معرّا۔

ایک روز بیوی نے اس ارادہ کی یاد دلائی۔ اور میرے عذر ہائے لنگ کے جواب میں کہا۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس بات کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ مَیں نے قطعاً فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد اگر لکھوں گا تو پہلے میلادِ نبویؐ ورنہ ساری عمر کچھ نہیں لکھوں گا۔ اسی دوران میں میرے ربادہ مکتبۂ جامعہ کے مینیجر جناب حامد علی خاں صاحب نے دریافت کیا کہ اب کیا لکھنے کا ارادہ ہے تو اُن سے بھی یہ تمام معاملہ بشرح و بسط کہہ دیا گیا۔ اُن کی تاکید اور اعانت کا ممنون ہوں کہ یہ کام انجام پا گیا۔ للّٰہ الحمد

خواجہ محمد شفیع

۷۸۶

ایک عرض

ہر زندہ شے تغیّر پذیر ہوتی ہے۔ از آں جُملہ زبان بھی۔ جو زبان راقم الحروف نے اپنے بچپن میں سُنی۔ جوانی تک وُہ بدل گئی تھی۔ اب احقر بوڑھا ہو گیا ہے اور زبان بھی قدرے بدل گئی ہے۔ تاہم جو زبان ذہن میں رچ گئی ہے۔ اس سے گریز نہ ممکن ہے نہ مناسب۔ زیرِ نظر کتاب میں ایسے چند الفاظ ملیں گے جو آج قدرے غریب معلوم ہوں گے۔ اوّلاً تو ان کے رائج الوقت مترادف ساتھ ساتھ استعمال کر لیے گئے ہیں۔ ورنہ سیاق و سباق سے مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔

زبان کا بدلتے رہنا مُبارک علامت ہے تاہم اُردو کے طالب علم کے لیے لازمی ہے کہ ہر دَور کی زبان سے آشنا رہے۔ شاید یہ کتاب قدرے قلیل یہ خدمت انجام دے سکے۔

خواجہ محمد شفیع دہلوی

فہرست مضامین

٧٨٦

کردو خبر یہ محفلِ میلاد شاہ ہے
یاں آمد جنابِ رسالت پناہ ہے

اُمت چلے رسولؐ کی یہ جلوہ گاہ ہے
سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے

در ہیں کشادہ رحمتِ ربِ کریم کے
ہیں عطر بار باغ میں جھونکے نسیم کے

خلعت بٹیں گے لطفِ خدائے کریم کے
تقسیم ہوں گے ہار ثوابِ عظیم کے

اس بزم میں جو شوق سے آئیں خوشا نصیب
کانوں کے پردے درے لگائیں خوشا نصیب

خاموش بیٹھیں سر نہ ہلائیں خوشا نصیب
اعجاز سن کے لطف اُٹھائیں خوشا نصیب

دربار عام گرم ہوا اشتہار دو
جن و بشر سلام کو آئیں پکار دو

[illegible] حبیب خدائے قدیر ہے
آتا ہے آج وہ جو بشیر و نذیر ہے

وارد ہے وہ جو صاحبِ تاج و سریر ہے
رونق فزا ہے خلق کا جو دستگیر ہے

دربار عام گرم ہوا اشتہار دو
جن و بشر سلام کو آئیں پکار دو

۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء

ہمارے نبیؐ آج پیدا ہوئے ہیں۔ دُنیا کی خرابیاں مٹانے۔ انسان کو ہمدردی سکھانے۔ بھٹکی ہوئی خلق خدا کو ڈگر پہ لگانے۔ غریب امیر کا فرق مٹانے۔ زمانہ کو محبت۔ اخوت اور بھائی چارے کا سبق سکھانے۔ خدا کے آخری پیغامبر ایک خدا کا پیغام پہنچانے پیدا ہوئے۔

وُہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ‏ ‏ مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا ‏ ‏ وُہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولا

حضرت عبد اللہ کے بیٹے۔ بیوی آمنہ کے پیٹ سے۔ بنی ہاشم قبیلہ شہر مکہ ملک عرب میں پیدا ہوئے۔

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وُہ کیا تھا ‏ ‏ جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جُدا تھا ‏ ‏ نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا
نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی ‏ ‏ نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی ‏ ‏ خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی

پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا　　خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا　　کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدا کا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا!

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے　　سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے　　تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر　　تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور　　کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی　　جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح گذری تھیں اُن کو صدیاں
کہ چھائی ہُوئی نیکیوں پہ تھیں بدیاں!

سبھی کہ عربوں میں وہ تمام برائیاں تھیں جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ وہ وحشی تھے۔ ظالم تھے، قتل و غارت فخر سمجھتے۔ جان کو جان نہ گردانتے تھے۔ ذرا سی بات پر اڑ جاتے تو خون کے ندی نالے بہا دیتے۔ بھائی بھائی سے لڑ مرتا۔ دوست دوست سے۔

وُہ شرابی تھے عیبی تھے۔ جواری تھے۔ لیکن ان تمام خرابیوں کے باوجود۔ ان تمام برائیوں کے ساتھ ساتھ۔ اِن میں کچھ ایسی بھلائیاں تھیں جو قوم کو قوم بناتی اور ترقی کرنے میں مدد پہنچاتی ہیں۔

ان میں شجاعت تھی وُہ بہادر تھے۔ دلیر تھے۔ مرد میدان تھے۔ ان میں سخاوت تھی۔ ان میں روپیہ کی ہوس نہ تھی۔ وُہ مہمان نواز تھے۔ وُہ اپنے اچھے سے اچھا اونٹ مہمان کے لیے کاٹ ڈالتے بہترین گوشت سے اس کی تواضع کرتے برا بھلا خود کھا لیتے اور اپنے بال بچّوں کو کھلا دیتے تھے۔ عرب اولاد کو بھوکا سلا دیتا اور دودھ مہمان کو پلا دیتا تھا۔ عرب تلوار کے دھنی تھے۔ بات کے پکّے قول کے پورے۔ دوست تھے تو سچّے دوست۔

دشمن تھے تو ظاہر ظہور۔ ان میں غیرت تھی۔ حمیت تھی پاس عزت تھا۔ اور خیال ناموس۔ قوم عرب ایک ننگی تلوار تھی جو غلط راستے پر استعمال کی جا رہی تھی۔ وُہ لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے اور اندھے کوئیں میں ڈال دیتے تھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو اولاد کی محبت نہ تھی۔ یہ خلقت انسانی کے خلاف ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ انسان کو اپنے گوشت پوست اور خون سے لگاؤ نہ ہو۔ لیکن عرب۔ محبت۔ شفقت اور الفت پر عزت کو ترجیح دیتا تھا اور عزت و ناموس کا غلط تخیل تھا جو ان سے یہ ظلم و ستم کروا رہا تھا۔ لیکن دھن کے پکے تھے۔ ارادے کے پورے۔ جو کام صحیح سمجھتے کر گزرتے تھے چاہے وُہ اولاد کا خون ہی بہانا کیوں نہ ہو۔

عربوں میں جو ہر تھے جو غلط استعمال کئے جا رہے تھے۔ اس قوم کو ایک صحیح سردار کی ضرورت تھی جو اس سپاہی کو میدانِ حق کا راستہ بتا دے ڈگر سے لگا دے۔ اور اس تلوار سے سچ جھوٹ۔ کھوٹے اور کھرے کا فیصلہ کرا دے۔

عربوں میں وُہ خوبیاں تھیں جن سے ہم آج دُنیا والوں کو اور اُن میں سے بہترین اور ممتاز مثالوں کو محروم پاتے ہیں۔ عرب کے گھر مہمان آتا تو صاحب خانہ کے منہ پر خون دوڑ جاتا تھا۔ وہ اس کی تواضع میں مصروف ہو جاتا۔ وُہ اس کے لیے سامان آسائش بہم پہنچاتا تھا۔ آج ہم اپنے گریبانوں میں مُنہ

ڈال کر دیکھیں اور سچے دِل سے سوچیں کہ ہم مہمان کے آنے سے کس قدر گھبراتے ہیں۔ کتنے پریشان ہوتے اور کیسے کھنساتے ہیں۔ عرب کے گھر سے جب مہمان جاتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کسی عزیز کو الوداع کر رہا ہو۔ اور ہم اس فکر میں رہتے ہیں کہ یہ بلا کب ٹلے۔ اس کی وجہ ہمارا افلاس۔ ہماری غربت اور ہماری تنگ دستی نہیں۔ عرب ہم سے زیادہ غریب تھا۔ ہم سے بہت زیادہ مفلس اور قلاش تھا۔ اس کا اصل سبب ہماری طبیعتوں کا افلاس اور دلوں کی تنگی ہے ورنہ تنگ دست تو وہ تھے جن کا کل اثاثہ ایک اونٹ ہوتا تھا۔

عرب دوست کی خاطر جان دیتا۔ اس کے لیے اپنی اولاد قربان کر دیتا تھا۔ آج ہم دوست کے جنازہ کے ساتھ دھوپ میں جاتے ہوئے کھیاتے ہیں۔ اے متمدن زمانہ کے لوگو! دِل میں غور کرو کہ اسلام جیسی امانت کے امین اس خزانہ کے خزینہ دار اس دولت کے وارث عرب بن سکتے تھے یا ہم۔ ہمارا ظاہر درست ہے اور باطن خراب۔ عرب میں یہ عیاری یہ غداری یہ دغابازی یہ ریاکاری نہ تھی۔ ہمارے شہتیر دِل کو اندر سے گھن لگ گیا ہے۔ ہاں اوپر سے پوشش اچھا ہے۔ ان کے شہتیر دِل پر رندا نہیں ہوا تھا۔ ان کے شہتیر کھردرے تھے۔ لیکن مضبوط اور بوجھ اٹھانے کے قابل۔ ہم دیدہ زیب ہیں۔ نظر فریب ہیں۔ لیکن ذرا سے بوجھ سے چیخ جانے

والے۔ اور نبی بنائی عمارت کو ڈھا دینے والے۔

عرب بے شک جواری تھا اور اندھا ہو کر سب کچھ داؤں پر لگا دیتا تھا۔ جب اس قوم نے خوشنودیٔ خدا حاصل کرنی چاہی تو اس بازی پر بھی آنکھیں بند کر اللہ کا نام لے۔ اپنا جان مال تن دھن سب کچھ لگا دیا۔ اور پھر اس کے پو بارہ تھے۔ ہم احتیاط کے بندے ہیں۔ ہر قدم پر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں۔ اس وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ عرب آگے جاتا تھا چاہے جان سے جاتا اس کی نعش اُٹھتی تھی۔ لیکن دشمن کی سرزمین پر سے۔

عرب لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن آج ہم اگر اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈال کر دیکھیں تو ہم میں سے کتنے ایسے گورکن والدین نکلیں گے جو ذاتی فائدے کی خاطر دنیوی مفاد کے لیے اپنی اولاد کو ایسی قبروں میں زندہ درگور کرتے ہیں جہاں وہ مر بھی نہیں سکتیں۔ ہم میں اور زمانۂ جاہلیت کے عرب میں۔ صِرف اتنا فرق ہے کہ وُہ ناموس کے لیے لختِ جگر کے ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اور ہم عارضی فائدے کے واسطے ہم دونوں میں کون بہتر ہے۔ اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر۔ مسلمانوں تم ہی ایمان سے کہدو خدا لگتی۔

ابھی حبیبِ خُدا پیدا نہ ہُوئے تھے کہ باپ کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا۔ چھ سال کے تھے کہ ماں بھی نہ رہیں۔ بات یہ ہے کہ اولاد ماں باپ سے اثر قبول کرتی ہے۔ اُن کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ اُن کی خصوصیتیں۔

عادتیں۔ طور طریقہ اور عام طور پہ اُن کا مذہب اختیار کر لیتی ہے۔ رب العزت کو یہ منظور نہ تھا کہ رسُولِ برحق پر سوائے اس کے اور کسی کا اثر پڑنے پائے وُہ اُس آئینہ کو دوسرے تمام عکسوں سے پاک صاف صرف اپنے پرتو کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ یتیم و لیسیر جب دینوی سہارے نہیں پاتا تو اس پاک بے نیاز کا سہارا ڈھونڈتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں۔ جب ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں پاتا تو اس کے سایہ عاطفت میں آجاتا ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی سایہ نہیں۔ یہ مصلحت تھی اس دریتیم کو یتیم و لیسیر کرنے میں۔

ماں باپ کے اُٹھ جانے کے بعد حضورؐ کے دادا عبد المطلبؓ آپؐ کی کفالت کرتے رہے۔ خدا کو منظور نہ تھا۔ کہ اُس کا حبیبؐ کسی کے پاس زیادہ عرصہ رہے۔ دو برس گذرے تھے کہ وُہ بھی گذر گئے۔ پھر حضورؐ کی پرورش ابوطالب حضرت علیؓ کے والد نے اپنے ذمہ لی۔

پہلا سفر

راہِ حق کا مسافر۔ مذہبِ حق کا قافلہ سالار ابھی تیرہ سال کا ہوا تھا کہ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔ جب یہ چچا بھتیجے شہر تیما پہنچے تو ایک یہودی عالم نے سرورِ کائناتؐ

میں توریت اور زبور کی پیشین گوئیوں کے مطابق کچھ علامت پائیں اور حکم لگا دیا کہ یہ لڑکا بہت اعلےٰ مرتبت ہوگا۔ اس کی حفاظت کرنا۔ خدا کی مہربانی اس کی پیشانی سے ظاہر تھی۔ یہ ہستی بابرکت وہ نعمت تھی جس کا مدتوں سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ ہمارے نبی وُہ رسُولؐ آخرالزماں تھے۔ وُہ خاتم النبیین تھے۔ خدا کے وُہ آخری پیغمبر تھے جن کے آنے کی خبر مسیح و موسیٰ نے دی تھی۔ یہ رحمۃ اللعالمین وُہ رحمت تھے جن کی راہ یہود و نصاریٰ اور اُن کے علما آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ پر جب وُہ آئے تو ذاتی فائدوں اور ہیجا ہٹ نے اُن راہ تکنے والوں کو اندھا کر دیا اور راہِ حق سے بھٹکا دیا۔

ان میں سے بعض نے اس آنی جانی دُنیا اور اس کے فائدوں کو ٹھکرا دیا۔ دولت ایمان سے مالامال ہوئے۔ اکثر عارضی عزّت کے جال میں پھنس کر رہ گئے۔ مردودِ ازلی ہُوئے۔ اے مسلمانو! اے ایمان والو۔ سچ کی راہ میں کھونا بھی پانا ہے اور جھوٹ کے راستہ میں پانا کھونے کے برابر۔ ہم کو جھوٹ۔ ریا اور دغا میں فائدہ دکھائی دیتے ہیں۔ پر درحقیقت وُہ بڑے سے بڑے نقصان ہیں۔ راہِ حق کانٹوں سے بھری ہے۔ پر ایماندار کی نظر میں یہ کانٹے پھُول ہیں اور وُہ پھُول کانٹے۔ ذرا سا سمجھ کا پھیر ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج بھی ہم اپنے بھائیوں میں ایسے لوگ پاتے ہیں۔ جو بڑے سے بڑے دنیوی فائدہ کو خوشنودی خدا کے لیے ٹھکرا

دیتے ہیں۔ چمن کا رہنا سہنا۔ سونا جاگنا۔ مرنا جینا سب خُدا کے واسطے ہے مبارک ہیں یہ ہستیاں متبرک ہیں یہ لوگ۔

ایمان والو! الیقین جانو جب تک تم میں ایسے نیک بندے بڑی تعداد میں موجود ہیں ترقی کی راہیں تمہارے واسطے کھُلی ہیں۔ اور دُنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تم سب اپنے میں وُہ باتیں اور وُہ خوبیاں پیدا کرو جو سچے مسلمانوں میں ہونی چاہئیں پھر دُنیا و مافیہا کی نعمتیں تمہارے واسطے ہیں اور تم اُن کے سچے وارث۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے — پھر اُن شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

تجارت

یہ نورِ ایمان کا سرمایہ دار متاعِ حق کا دکاندار جب جوان ہُوا تو میلانِ طبع تجارت کی طرف تھا۔ گھر کا مال و زر روپیہ پیسہ نہ تھا کہ سوداگری میں لگاتے۔ حضرت بیوی خدیجہؓ نے حضورؐ کی امانت داری۔ راستی و راست بازی کا چرچا سُنا تھا۔ خود درخواست کی کہ ان کے روپے سے تجارت کریں اس سودے میں بہت نفع ہوا۔ سفر میں بیوی خدیجہؓ کا غلام میسرہ آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ اس امین کی امانت داری کا حال اس غلام سے سُنکر بیوی خدیجہؓ

جنہوں نے اکثر سردارانِ عرب کی شادی کی درخواست رد کردی تھی۔ خود حضورؐ اکرم سے نکاح کی آرزو مند ہوئیں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال تھی اور بیوی خدیجہؓ ۴۰ سال کی تھیں۔

پہلی انجمن

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اکثر قبائل کے سردار جمع کئے اور اُن کے روبرو ملک کی بدامنی۔ راستوں کا پُرخطر ہونا۔ مسافروں کا غریب الوطنی میں لٹ جانا بیان کیا اور ایک انجمن کی بنا ڈالی جس کے رُکن یا ممبر مندرجہ ذیل عہد کرتے تھے۔

(۱) ہم ملک سے بدامنی دُور کریں گے۔

(۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

(۳) ہم غریبوں کی امداد کریں گے۔

(۴) ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

اے دینِ محمدی کے وارثو اگر آج تم سچے دِل سے اپنے ہادیؐ کی اس پہلی انجمن کے ممبر بن جاؤ اور ان اصُولوں کی پابندی اپنا فرض سمجھنے لگو تو نہ صرف تمہارے دِن پھر جائیں بلکہ تم تمام عالم کے دِن پھیر دو۔ مسلمانو! عربوں کے پاس جوہرِ انسانی موجود تھا۔ سچے مذہب اور صحیح راہبر کی کمی تھی۔ تمہارے پاس للّٰہ الحمد

دولت اسلام ہے۔ اور خیر البشر ساہادی۔ ایک جوہرِ انسانیت تم ہیں سے گم ہو گیا ہے وہ پیدا کر لو۔ اپنے دِلوں کو نورِ ایمان سے بھر لو۔ اپنی تلوار کو آب دے لو۔ تو پھر وارے نیارے ہیں۔

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

سنگِ اسود نصب کرنے کا واقعہ

خانۂ کعبہ کی دیواریں پانی کے ریلے سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اہلِ عرب نے اس کو نئے سرے سے بنایا۔ جب حجرِ اسود گاڑنے کا سوال آیا تو آپس میں اس بات پر جھگڑنے لگے کہ یہ کام کون انجام دے۔ ہر ایک قبیلہ اپنے کو اس عزت کا حقدار ٹھیراتا تھا۔ ڈر تھا کہ یہ فساد رنگ نہ لائے۔ اور عرب کی زمین خون سے لہو لہان ہو جائے۔ عرب ذرا سی بات پہ بگڑ جاتے۔ اپنی ہٹ پر اڑ جاتے اور پھر آدمی بھیڑ بکریوں کی طرح کٹ جاتے اور قبیلہ کے قبیلہ ختم ہو جاتے تھے۔ یہ تو بہت بڑا معاملہ تھا اس پر فساد ہو جاتا تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ وہاں تو پانی پینے پلانے پر جھگڑا ہو جاتا۔ تلوار آبدار کھینچ آتی اور پھر خون پانی کی طرح بہ جاتا تھا۔ بڑے بوڑھے گھبرا اُٹھے اہلِ نظر کو جنگ عظیم نظر آنے لگی۔ سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ قرار پایا کہ اس وقت جو پہلا شخص خانۂ کعبہ میں داخل ہو گا۔ وہی

منصف اور اسی کا فیصلہ فیصلہ کن مانا جائے گا۔ شانِ خُدا دیکھئے کہ اس ارادہ کے بعد پہلا شخص جو خانہ خُدا میں داخل ہوتا ہے وہ محمدؐ الرسول اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سب پکار اُٹھتے ہیں یہ سچا ہے۔ یہ امین۔ یہی ہمارا منصف ہے۔

خُدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ دین ابراہیم کو بہتر اور مکمل شکل میں پیش کرنے والا سنگِ اسود کے معاملہ میں پیش پیش رہے۔ اس حاکم کو منظور تھا کہ تمام دُنیا کے جھگڑے چکانے والا اس جھگڑے میں حکم ہو۔

اب ذرا اس سوجھ بوجھ والے کا فیصلہ دیکھئے اس کمبل پوش شاہ نے ایک چادر بچھائی اور اپنے ہاتھ سے سنگِ اسود اس پر رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار کو چادر پکڑنے کو کہا۔ اور یہ کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ اس وقت رسُولؐ خُدا کی عمر ۳۵ سال تھی۔

اے مسلمانوں اگر آج بھی تم اپنے قصہ قضیہ۔ جھگڑے فساد فیصلہ کرنے چاہو تو تمہارے سامنے ایسی ہزاروں مثالیں ہیں جن کو شمع راہ بنا سکتے ہو۔ رسُولِ مقبولؐ آج بھی تمہارے جھگڑے چکانے تمہارے پاس موجود ہیں۔ اس لیے کہ اُن کی صحیح تعلیم بے کم و کاست تمہارے سامنے ہے۔ اس سے کام لو اور ایمانداری سے کام لو۔

غارِ حرا اور نزولِ وحی

جب زمانہ پیغمبری قریب آیا تو یہ ایک خدا کا پیغام پہنچانے والا یکتائے روزگار اکثر اکیلا رہنے لگا۔

حرا پہاڑ میں آبادی سے دُور سنسان بیاباں میں ایک غار تھا۔ چار گز لمبا پونے دو گز چوڑا وہاں حضورؐ خدائے واحد کا دھیان لگا کر کئی کئی دن بیٹھے رہتے۔ اس ذاتِ واحد کی تعریف و توصیف کرتے اور اس کی شان پر غور فرمایا کرتے تھے۔ سرورِ کائنات کی عمر چالیس سال اور ایک دِن کی تھی کہ رب العزت کا پیغام آیا۔ خدا کا پیغام کوئی معمولی بات نہ تھی۔ شاہوں کے شاہ کا پیغام ادنیٰ چیز نہ تھا۔ اس قادر مطلق کا پیغام کوئی ہلکی پھلکی چیز نہ تھا۔ حضورؐ تھرا اُٹھے آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ اور دہشت چھا گئی۔ گھر آئے نڈھال ہو کر لیٹ گئے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ مجھے چادر اڑھا دو۔ جب ذرا سکون ہوا تو بیوی سے کہا میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں جن سے مجھ پر ہیبت طاری ہوتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں اور نیکوں کا حافظ نگہبان خدا خود ہوتا ہے۔ زبان سے تو یہ کہا پر دِل کا مالک اللہ ہی تھا۔ جب اندر دالانہ مانا تو حضورؐ اکرم کو ساتھ لے اپنے رشتہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضورؐ نے نزولِ جبرئیل امین کا حال بیان کیا۔ ورقہ نے زبور۔ توریت اور

انجیل کے حوالے سے کہا کہ آپ نبی موعود ہیں جن کے آنے کی خوشخبری پیش رفتگان دیتے آئے ہیں۔ قوم آپؐ کو دیس نکالا دے گی۔ کاش میں ہجرت کے زمانہ تک زندہ رہوں اور حضورؐ کی خدمت انجام دے سکوں۔ سرورِ دو عالمؐ نے فرمایا قوم مجھے وطن سے نکال دے گی۔ جواب ملا بے شک نبیوں کو شروع شروع بہت سختیاں اُٹھانی پڑتی ہیں۔

۱۸ ر رمضان شب جمعہ کو (سورۃ اقراء نازل ہوئی) یہ اللہ کا پہلا کلام آخری پیغمبر کو جبرئیل امین نے پڑھایا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۴۱ سال تھی۔ اب رسولِ خدا نے پوشیدہ طور پر تبلیغ شروع کر دی۔ عورتوں میں بیوی خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ۔ زید بن حارثؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دوستوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپؐ کے سچے پیغمبر ہونے کی تصدیق کی صدیقِ اکبر کہلائے۔

اے مسلمانو! جو سبق استادِ ازل نے اپنے پیارے نبیؐ کو دیا اس سے تم بھی سبق حاصل کرو۔ جس کتاب نے جاہلوں کو عالم۔ گداؤں کو شاہ۔ غلاموں کو آقا بنا دیا۔ آج بھی تمہارے پاس موجود ہے۔ اسے آنکھیں کھول کر پڑھو۔ اور اس سے سبق سیکھو۔

وہ نسخہ:۔

مِس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

آج بھی تمہارے پاس موجود ہے۔ اس سے کام لو اپنے کھوٹے کو کھرا اور کھرے کو کندن بنالو۔ ابھی وقت باقی ہے۔ ابھی موقع ہے جب آنکھیں بند ہو گئیں پھر آنکھ کھلی تو کس کام کی۔ یہ دو گھڑی کا میلا ہے۔ بچھڑ گیا تو پھر سودا بے سود رہ جائے گا۔ ع کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا۔ نہیں تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ آزادی۔ ترقی۔ سروری۔ سرداری۔ دین دنیا۔ سب سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑے گا۔

سمجھانے سے ہے ہمیں سروکار   اب مان نہ مان تو ہے مختار

اللہ اپنے پیارے نبی صلعم کو سبق شروع کراتے ہوئے کہتا ہے۔ شروع ہے اللہ کے نام سے جو بڑا رحم والا اور مہربان ہے۔

مطلب اس سے یہ ہے کہ ہم کو ہر ایک کام خدا کے نام کے ساتھ شروع کرنا چاہیئے دستور ہے کہ ہم جو کام جس کے نام سے شروع کرتے ہیں وہ اسی کے واسطے ہوتا ہے۔ ہم جو کوئی سودا کسی کے نام سے خریدتے ہیں۔ وہ اسی کے لیے سمجھا جاتا ہے ہم جو بنج بیوپار کسی کے نام سے شروع کرتے ہیں اس میں شریک غالب وہی شخص سمجھا جاتا ہے۔ جس کے نام سے کاروبار شروع کیا جائے۔ اب مسلمانو جب تم ہر ایک کام خدا کے نام سے شروع کرو گے تو وہ تمہارے ہر کام میں شریک رہے گا۔ کیا تم چوری، دغابازی اور غداری میں اس کو شریک کر سکو گے۔ کیا تم گناہ کے کاموں میں اس کو اپنا ساتھی بنانے کی ہمت

کر سکو گے۔ کیا تم قوم فروشی، وطن فروشی اور ایمان فروشی میں اس ہستی کو اپنا شریک کار بنانے کی جرأت کر سکو گے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس اس تعلیم کے یہ معنی ہوئے کہ اگر تم سچے دل سے اس پر پابند ہو جاؤ کہ ہم تمام کام اللہ کے نام سے شروع کریں گے تو یقیناً سارے بُرے کام تم سے چھٹ جائیں گے۔

یہی اسلام کی سچی تعلیم ہے کہ مسلمان کا کوئی کام راستی و راست بازی حق اور حق پرستی کے خلاف نہ ہو۔

اسی آیۂ کریمہ میں آگے چل کر وُہ قادر مطلق اپنی قدرت اور طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ پھر انسان کی ہستی کو بتاتا ہے کہ اس کی کیا ہستی ہے۔ ایک پانی کا کیڑا جس کو خدا کے رحم و کرم نے انسان بنایا۔

انسان ضعیف البنیان کی کل کائنات ایک پانی کے کیڑے سے زیادہ نہ تھی اور اس کیڑے کا وجود بھی اس خالق کے حکم کا محتاج تھا۔ پھر کیڑے کو اس نے آب رو بخشی اور یہ ناچیز اشرف المخلوقات کہلایا۔

انسان کا وجود خدا کے حکم سے ہے اور اس کی تمام بزرگی و برتری اس ذات پاک کی نسبت سے ہے۔ ہم ذرۂ خاک ہیں لیکن اس دامن سے وابستہ جس کا سایہ ذرہ خاک کو عالم پاک تک پہنچاتا ہے۔ ہم پانی کے کیڑے ہیں۔ لیکن ہم پر کرم اس ابرِ کرم کا ہے جو انسان کو ساقی کوثر بناتا ہے۔

اے مسلمانو۔ اے ایمان والو۔ اگر تم اس نسبت کا خیال رکھو تو ناممکن ہے

کہ کوئی نازیبا حرکت ان سے سرزد ہو سکے۔

اگر انسان کسی بُری جگہ جاتا ہے تو مُنہ پر رومال ڈھک کر۔ کیوں۔ اس لیے کہ اس مُنہ سے اُس کو نسبت ہے۔ اِس مُنہ سے وُہ بچانا چاہتا ہے۔ اگر کہیں ایسی ویسی جگہ کسی سے ملتا ہے تو نام بتاتے ہُوئے ہچکچاتا ہے چونکہ اس نام سے اُس کو نسبت ہے اور اس نام کو دھبّہ لگانا نہیں چاہتا۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر مسلمان خلافِ شرع کام کرتے ہیں تو ترکی ٹوپیاں جیبوں میں رکھ لیتے ہیں۔ اُن کو اِن ٹوپیوں سے نسبت ہے اور اُن کی بدنامی نہیں چاہتے۔

اے مسلمانو تم ان عارضی چند روزہ دُنیوی نسبتوں کا تو اتنا خیال رکھتے ہو اور اُس نسبت کو بھول جاتے ہو جو ازل سے ہے اور ابد تک قائم رہے گی جو مسلمان کے لیے مایۂ ناز ہے۔ جس نسبت نے مسلمان کو مسلمان بنایا اور دُنیا بھر پہ بزرگی اور برتری عطا فرمائی۔

جس طرح احمدِ مختار ہیں نبیوں میں امام

اس کی اُمّت بھی ہے دُنیا میں امامِ اقوام

تم سردارِ دوعالم کی اُمّت میں ہو سرداری کا طریقہ سیکھو۔ تمہارا ہادی شاہِ دوسرا ہے۔ تم بادشاہت کے گر سیکھو۔

اپنی نسبت کو پہچانو۔ سرداری و سروری تمہارے خمیر میں ہے۔ تمہاری پرورش غلامی کی فضا میں ہُوئی ہے۔ اس وجہ سے آج اِس قعرِ مذلت میں پڑے ہو۔

وُہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں　　　اِسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

دینِ حق صراطِ مستقیم اور راہِ خدا کی دعوت دینے والے نے ایک رات بنی ہاشم کو مدعو کیا کھانے کے بعد پیغمبرِ خدا نے اِن سب کو پیغامِ خدا پہنچایا۔ اور نجات کا راستہ دکھایا۔ دعوتِ اسلام دی اور تلقینِ ایمان کی۔ پھر کہا۔ اس راہ میں تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا۔ حضرت علیؓ شیرِ خدا بولے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔ مَیں آپ کے ساتھ ہوں۔

سچے ناصح نے حضرت ابوطالب یعنی حضرت علیؓ کے والد سے فرمایا۔ تم اس کی بات سُنا کرو اور مانا کرو۔ اہلِ محفل کھلکھلا کر ہنس پڑے اور حضرت ابوطالب سے کہا۔ لو آج سے بیٹے کی فرمانبرداری اختیار کرو۔

مسلمانو کاش ہم اپنے ہادیؐ کے اس قول سے سبق لیں اور یہ سوچنا تم چھوڑ دیں کہ بات کس نے کہی بلکہ یہ سوچیں کہ بات کیسی کہی۔ یہ نہ خیال کریں کہ کہنے والا متقی پرہیزگار ہے یا عاصی و گنہگار۔ یہ دیکھیں کہ بات خدا لگتی ہے یا نہیں۔ اگر ایک سیاہ کار ہم کو روشنی دکھاتا ہے تو اس سے فائدہ کیوں نہ اُٹھائیں۔ اگر ایک کم عقل بے وقوف کج فہم بات ٹھکانے کی کرتا ہے تو کیوں نہ سُنیں۔ اگر کوئی گنہگار آلودہ دامن کہتا ہے۔ کہ من نہ کردم شما حذر بکنید۔ تو ہم اس سے سبق کیوں نہ لیں۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے کہ ہم انسانی کمزوریوں سے بالاتر

ناصح کی تلاش میں عمر گنوادیں۔ بھائیو فرشتے تمہاری راستہ بتانے نہیں آئیں گے۔ یہی بُرے بھلے انسان ہیں چاہو انہیں راہبر بناؤ چاہو بھٹکتے پھر جاؤ۔

مشکل تو یہ آن پڑی ہے کہ بڑے چھوٹوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اور چھوٹے بڑوں کی نکتہ چینی۔ ہم ایک دوسرے میں کیڑے ڈال رہے ہیں اس طرح ساری قوم کرم خوردہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک نماز نہیں پڑھتا اس وجہ سے نظروں سے گر گیا۔ دوسرا سوٹ پہنتا ہے اس لئے کفار سے مشابہ۔ ڈاڑھی منڈا ڈاڑھی والے کو ریاکار بتا رہا ہے۔ تو ڈاڑھی والا فیشن ایبل کے منہ آ رہا ہے۔ غرضکہ ہم ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ اور زمانہ ہمارے درپے۔

معمولی اختلافات کو ہم نے اہمیت دے رکھی ہے۔ اور حقیقی یگانگت کو نظرانداز کر دیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی مخالفت کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب کلمہ گو ہیں۔ ایک نبی کی اُمت اور ایک فوج کے سپاہی ہماری وردیاں الگ الگ سہی۔ ایک ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنتا ہے تو پہنا۔ ایک سوٹ بوٹ کا دلدادہ ہے تو اس کی خوشی۔ لیکن ہیں دونوں اسلام کے دلدادہ ایک خدا کے پرستار۔ ایک جھنڈے کے جاں نثار۔

بھائیو ذرا ذرا سی مخالفتوں پر ہماری فوج آپس میں کٹ رہی ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خون میں ہاتھ رنگ رہے ہیں۔ اور اغیار اپنے ہاتھ رنگ رہے ہیں۔ مسلمانوں یہ غفلت کے پردے اُٹھا دو۔ کسی ایک کو سردار مانو اس کی معمولی

کمزوریوں کو نظر انداز کرو۔ اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ بے سری فوج بے سردار سپاہ میدان کارزار میں کامگار نہیں ہوتی۔

بے سری فوج ہے سردار نہیں تم میں کوئی
راہ زن راہ میں سالار نہیں تم میں کوئی

باشرع تم میں ہیں واعظ بھی ہیں مفتی بھی بہت
سب ریاکار ہیں دیندار نہیں تم میں کوئی

بغیر ناخدا کے کشتی کنارہ نہیں لگتی۔ تمہاری نیا منجدھار میں ہے کھیونہار پیدا کرو۔ تم سب ایک کشتی میں ہو۔ ڈاڑھی منڈے بھی اور باشرع بھی۔ اگر یہ کشتی ڈوبی تو نہ باشرع بچیں گے نہ بے شرع۔ بُرا وقت آگیا ہے آپس کے تفرقہ مٹا دو۔ ہر ایک کلمہ گو کو سینہ سے لگاؤ۔ اس کی بھلائی چاہو۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔

تبلیغ اسلام تین سال تک خموشی کے ساتھ ہوتی رہی اور مسلمان پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نمازیں ادا کرتے رہے۔

اب حکم ہوا کہ تبلیغ علی الاعلان کرو۔ یہ طابع فرمان۔

گیا ایک دن حسب فرمان داور
سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا
کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا

کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا!
تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر

کہا نیز وہ ہر بات کا یاں یقیں ہے		کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر مری بات یہ دِل نشیں ہے		تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

وُہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی		عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دِل میں لگا دی		اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

پیغام حق بھی وہی ہے بجلی کی چمک بھی وہی۔ تم بہرے اور اندھے بنے بیٹھے ہو۔ جھوٹ۔ کذب، باطل اور باطل پرستی کی آواز تمہارے کانوں میں بس گئی ہے۔ حرام کے لقموں کی چربی تمہاری آنکھوں پر چھا رہی ہے۔ عیش پرستی کے نشہ میں تم دھت ہو رہے ہو۔ صدائے حق سنو تو کیونکر۔ بجلی کی چمک دیکھو تو کیسے۔

لیکن اے مسلمانو شکر کا مقام ہے کہ اب تک تمہارے سُننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب نہیں کی گئیں۔ تمہارے کان بھی ہیں اور آنکھیں بھی۔ دِل بھی ہیں اور دماغ بھی۔ ہاں اُن پر غفلت کے پردے پڑے ہیں۔ یہ پردے اُٹھا دو راہ حق

پر بے محابا آجاؤ تو منزلِ مقصود زیادہ دُور نہیں۔

وُہ ڈاکو جن کا ذکر کوہِ صفا پر رسُولِ خُدا نے کیا آج بھی تمہارے قافلہ کے درپے ہیں۔ اور تم مطمئن چلے جا رہے ہو۔ تم اس چور اُٹھائی گیرے سے ڈر رہے ہو جو زیادہ سے زیادہ تمہارا سفری سامان چرا سکتا ہے اور اس ڈاکو سے بے خبر ہو جو تمہاری ساری پونجی کی تاک میں ہے۔ تمہاری تمام جمع جتھڑی پر نظر لگائے بیٹھا ہے۔ تم دنیوی چند روزہ آنی جانی دولت کی حفاظت میں دن رات لگے رہتے ہو اور دولتِ ایمان کی فکر نہیں کرتے۔ تم کوئلوں پر مہر لگا رہے ہو اور تمہاری اشرفیاں پڑی لٹ رہی ہیں۔

یاد رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ تمہاری دُنیا دین کے ساتھ ساتھ ہے۔ اگر دین کھو بیٹھو گے تو دُنیا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ نہ اِدھر کے رہو گے نہ اُدھر کے۔ اگر غور سے دیکھو تو تم کو خود نظر آئے گا کہ جس دن سے تم نے خدا کی رسّی کو چھوڑا دُنیا بھی تم سے رسّیاں تڑا گئی۔

عرب کے بادیہ نشیں بدوؤں کے پاس کونسی طاقت تھی جس کے آگے قیصر و کسریٰ جھکتے تھے۔

ان میں دولتِ ایمان تھی اور جذبۂ اسلام۔ جذبۂ اسلام کے معنی ہیں راہِ خُدا میں جان دینا اور جان لینا۔ ہر کلمہ گو کو بھائی سمجھنا۔ اس کی عزت کو اپنی عزت اور ذلت کو اپنی ذلت سمجھنا۔ جذبۂ اسلام کے معنی ہیں حکمِ خُدا پر سر جھکانا اور سر کٹانا۔

اک شرعِ مسلمانی اک جذبِ مسلمانی ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلکِ الافلاک
اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

حکم کے بندے طابع فرمان سچے مسلمان رسولِ خدا نے جب اعلانِ عام کا فرمان پایا تو ہر میلے تماشے میں ہر مجمع کے رُوبرُو وعظ و نصیحت شروع کر دی۔ اللہ کے بندوں کی اللہ سے لو لگا دی۔ سوتی بستی جگا دی۔ دُنیا اور دُنیا والوں کو بتا دیا۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دِل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

وُہ اہلِ عرب اور وُہ اہلِ دُنیا جو پتھروں۔ درختوں اور دریاؤں کی پرستش کرتے تھے جو لعت و منات کا دم بھرتے جو ستر خداؤں کو پُوجا کرتے تھے۔ انہیں جتا دیا۔ سمجھا دیا اور منوا دیا کہ

اسی پہ ہمیشہ بھروسہ کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

عرب جیسی ظالم - عرب جیسی جنگ جو - عرب جیسی پتھر قوم کو دردِ دل کا سبق پڑھایا!
انسانی ہمدردی کا راستہ دکھایا اور اُن کے ذہن نشین کر دیا کہ

خُدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر — نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کِسی کے گر آفت گذر جائے سر پر — پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پر

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خُدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

سچّے ہادی - سچّے واعظ - اور سچّے معلّم نے - ع - بس اک شوب میں کر دیا - پاک اُن کو - وُہ عرب جو اپنی بیٹیوں کو ہنستے بستے زندہ گاڑ دیتے تھے - اب درد اور ہمدردی کی تصویر بن گئے - اگر کِسی بھائی کے کانٹا چبھتا تو خلش اُن کے دِل میں ہوتی تھی - اگر کِسی کی آنکھ روتی تو اُن کا دل روتا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

ع - سارے جہاں کا درد انہی کے جگر میں ہے -

یہ نیکی کی باتیں تھیں جو رسُولِ خدا بندگانِ خُدا کو سناتے - یہ راستہ تھا جو آخری رہبر بھٹکے ہوؤں کو دکھاتے - یہ ابرِ رحمت تھا جس کے سایہ میں رحمۃ للعالمین پیاسی دُنیا کو لے جاتے تھے -

اے مُسلمانو آج بھی وُہ ابرِ کرم ایک بہتا دریا تمہارے لیے چھوڑ گیا ہے - اگر چاہو تو ڈگڈگا کر پی لو - اور یہ دریا آج نہیں ہمیشہ ہمیشہ بہتا رہے گا - قسمت والے سیراب ہوں گے بدنصیب پیاسے ٹھوکریں کھاتے چلے جائیں گے -

وُہ گلہ بان وُہ چرواہا۔ ایک چراگاہ چھوڑ گیا ہے جس سے آنکھوں والے فائدہ اُٹھاتے اور اندھے محروم چلے جاتے ہیں۔

وُہ باغ جہاں کا مالی ایک باغ چھوڑ گیا ہے۔ جو جاڑے گرمی اور برسات سرسبز رہتا ہے اور رہے گا۔ جو اس کے سایہ میں ہیں ان پر خُدا کا سایہ ہے۔ بے بہرہ بے نصیب۔ چٹیل میدانوں میں۔ بے آب بیابانوں میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور پھریں گے۔

اے ایمان والو وُہ بہتا دریا۔ وُہ سرسبز چراگاہ۔ وُہ ہرا بھرا باغ۔ تعلیم اسلام ہے جو بے کم و کاست آج بھی موجود ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ وُہ خُدا کا آخری پیغام ہے جو رسُولِ خدا نے پہنچایا اور جس کی حفاظت کا اس قادرِ مطلق نے وعدہ فرمایا۔

کاش ہم آج کل کے مسلمان۔ ان نصیحتوں کو پڑھیں۔ سمجھیں اور اُن پر کاربند ہو جائیں اور روز نہیں تو گاہے گاہے اپنے بچوں کو لے کر بیٹھیں۔ اُن کو اسلام کی باتیں بتائیں۔ اُن کو ایمان کا راستہ دکھائیں۔

لیکن مشکل تو یہ آن بنی ہے کہ بڑے خود بے بہرہ ہیں۔ بچوں کو کیا خاک پڑھائیں گے۔ اے میرے بھائیو اور اے میری بہنو۔ ایمانداری سے سوچو کہ تم میں سے کتنے صاحب اولاد ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو اسلام کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ تمہیں اپنی اولاد کا واسطہ اپنی آنکھیں کھولو اور اپنی اولاد کو آنکھوں والا

بناؤ۔ تمہارے بیٹا بیٹیوں کو اُس راستہ پر چلنا ہے جہاں قدم قدم پر گڑھے ہیں اور تم اِن کو اندھا چھوڑے جا رہے ہو۔

سچ پوچھو تو ہمارے مذہب کو نہ مولوی کی ضرورت ہے نہ ملّا کی۔ وُہ تو ایسا سیدھا سادھا اور آسان مذہب ہے کہ اس کے عقائد اور اس کے حقائق ایک بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جب ماں خود نہیں جانتی تو بیٹی کو کیا بتائے گی۔ جب باپ خود نہیں جانتا تو بیٹے کو کیا خاک سکھائے گا۔

یہ وجہ ہے کہ ہمارے عوام اور خواص۔ ہمارے پڑھے لکھے اور جاہل۔ ہمارے بوڑھے اور بچے علم دین سے بے بہرہ اور اس شمع ہدایت سے محروم ہیں۔

بھائیو دیے سے دیا جلتا ہے۔ تمہارے گھروں کے چراغ بجھے پڑے ہیں۔ ہاں تمہاری انجمن میں آج بھی گنتی کی روشن شمعیں موجود ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نے اس روشنی کو اپنی پونجی سمجھ رکھا ہے۔ ذریعہ معاش بنایا ہے۔ پس دُوسرے چراغ روشن کرتے ڈرتے ہیں کہ کہیں حلوے مانڈے میں فرق نہ آجائے۔ اپنا پیٹ نہ کٹ جائے۔ علم دین کو مشکل بنا رہے ہیں۔ سیدھے سادھے مذہب کو پیچ در پیچ کرتے چلے جا رہے ہیں تاکہ نئے سیکھنے والوں کی ہمتیں پست ہو جائیں اور یہ در دبست اس خزانہ کے حوالہ دار بنے بیٹھے ہیں۔

اے علم دین کے متولیو۔ اے اس وقف کو اپنی جاگیر سمجھنے والو۔ ذرا غور کرو کہ ایک بے عقل جانور۔ ایک ننھی سی جان ایک چھوٹی سی چیونٹی اگر کہیں

کھانڈ کا نشان پاتی ہے تو اپنے سارے کنبہ قبیلہ کو اس کا پتہ بتاتی ہے۔ اور تم خبث نفس سے کام لے رہے ہو۔ اس خزانہ پر کنڈل مارے بیٹھے ہو۔ تم یہ نہیں سمجھتے کہ

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت

وہی شاخ پھولے گی اور یاں پھلے گی
ہری ہو گی جڑ اس گلستاں میں جس کی

تم اپنی جڑیں کاٹ رہے ہو۔ تم آنے والی نسلوں کو تعلیم اسلام جیسی نعمت سے محروم کر رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ

یہی شمع اسلام روشن کریں گے بڑوں کا یہی نام روشن کریں گے

آج کے بچے کل کے بوڑھے بنیں گے۔ آج کے رنگ روٹ کل سپاہی ہوں گے۔ نہ ہم ہوں گے نہ ہمارا نشان۔ یہی اسلام کے علمبردار ہوں گے۔ یہی اسلام کے نام لیوا اور پانی دیوا۔ ہم اُن کو تمام ہتھیاروں سے لیس کر جائیں۔ ہم اُن کو سارے زیوروں سے آراستہ کر دیں۔ ہم اس کھیتی کی کھاد بن جائیں۔ ہم خونِ جگر سے اس نسل کو سینچ جائیں اور دادرِ محشر کے روبرو سرخرو ہو جائیں۔

اب ہمارے نبیؐ نے اسلام کا چرچا عام کیا۔ اور تبلیغ شروع کی۔ اہلِ عرب

کی عقلوں پر بت پرستی کے پتھر پڑے تھے۔ ہٹ دھرمی۔ ضد اور بے جا بہادری کے فولادی خود دماغوں پر چڑھے تھے۔ حرص و ہوا کی سیاہی اُن کے دِلوں پر طاری تھی۔ جوئے نے اُن کی قسمت کا پانسہ پلٹ رکھا تھا۔ عیش پرستی نے اُن کو اندھا کر دیا تھا۔

پیغمبرِ اسلام نے ان نیند کے ماتوں کو جگانا چاہا یہ جھنجلا اُٹھے۔ بھٹکے ہوؤں کو ڈگر سے لگانا چاہا کج فہموں نے اور ٹیڑھ کی لی۔ مشرکوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکانا چاہا وہ بگڑ بیٹھے۔ جتھابندی شروع کی اور حبیبِ خُدا کی دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔

اسلام۔ آقا اور غلام۔ غریب اور امیر۔ غرضکہ ہر کلمہ کے شریک کو بھائی ٹھیراتا اخوت کا سبق سکھاتا تھا۔

اہلِ قریش جو ہر معاملہ میں پیش پیش تھے یہ مساوات نہ برداشت کر سکے۔ انہیں اپنے خاندان پر ناز تھا۔ اپنے قبیلہ پر اتراتے اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیم سے اُن کی برتری پر بات آتی تھی۔ ان کی بزرگی کو بٹا لگتا اور ان کا امتیاز خاک میں ملتا تھا۔

یہ دو روزہ آنی جانی بزرگی و برتری کے دلدادہ مخالفتِ اسلام پر آمادہ ہو گئے۔ ایک مٹھی بھر کلمہ گو۔ دُوسری طرف جاہلوں کے جتھے ظالموں کے گروہ۔ گو بظاہر شیر بکری کی لڑائی تھی۔ لیکن اس بکری کا رکھوالا۔ زمانہ بھر کا

پالن ہار وُہ آقائے روزگار تھا۔ جسے وُہ رکھے اُسے کون چکھے۔ نہ دشمنوں نے اپنی کرنی میں کسر کی نہ دوست نے دوست داری میں۔ ع۔ دشمن اگر قویست نگہباں قوی تر است۔ خدا کے سایہ میں پیغمبر کے ہاتھوں۔ صحابہ کی کوشش سے اسلام کی کھیتی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی چلی گئی۔

کفارِ مکہ نے سخت ظلم ڈھائے۔ بڑے بڑے فساد مچائے۔ سیلِ فنا کی طرح چڑھ چڑھ کر آئے۔ لیکن یہ اسلام کی دیوار نمک کی نہ تھی جو بہ جاتی۔ ہر ریلے کے بعد پختہ سے پختہ ہوتی گئی۔

اسلام کی خلقت میں قدرت نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

مُشرکین نے اہلِ دین پر جو جو ظلم توڑے اور جیسی جیسی آفتیں ڈھائیں اُن کے خیال سے رونگٹے کھڑے ہوتے اور بیان سے دِل دہلتا ہے۔

حضرت بلال حبشیؓ۔ ایمان لائے اُن کے آقا امیہ بن خلف کو اطلاع ہُوئی۔ پہلے مارا پیٹا جب اس سے کام نہ چلا تو طرح طرح کے ظلم کرنے شروع کئے۔ آپ کے گلے میں رسّی باندھ کر بچوں کو دے دیتے تھے وُہ مکہ کی پہاڑیوں میں اس مردِ خدا کو گھسیٹتے پھرتے۔ پیروں میں آبلے پڑ جاتے۔ جسم زخمی ہو جاتا۔ پر یہ اللہ کا بندہ اُف تک نہ کرتا تھا۔

پیٹھ زخمی۔ جسم رنجور۔ اعضا اعضا چُور چُور۔ اس حالت میں جھلستی ہُوئی بھوبل

اور تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیے جاتے اور آپ کے سینہ پہ بھاری پتھر رکھ دیے جاتے تھے تتار دھوپ۔ نیچے سے گرم ریت۔ ہونٹوں پہ پپڑیاں۔ حلق میں کانٹے۔ پر یہ شرابِ وحدت کا سرشار۔ دھن کا پکّا۔ ایمان کا پورا۔ ایمان سے مُنہ نہ موڑتا تھا۔

اللہ اللہ کیا لوگ تھے جو شمع اسلام روشن کر گئے۔ اے ایمان والو اب تم خیال رکھو یہ شمع بجھ نہ جائے۔ نہیں تو اندھیرا ہو جائے گا۔

اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو پھر اکسا دو اس ٹمٹماتے دئے کو

خدا گواہ ہے کہ اگر ہمارے سینوں کی چربیوں سے یہ شمع روشن ہو تو بھی اس کو روشن رکھنا چاہیے۔ خوشا نصیب ان سینوں کے جو اس شمع کو روشن رکھنے کے لیے چاک کیے جائیں قربان جایئے ان جانوں کے جو اس شمع پر نثار ہو جائیں۔

ہماری شمع حیات بجھ جائے اور یہ شمع روشن رہے۔ ہمارے لختِ جگر کام آجائیں۔ ہمارے نورِ چشم خاک میں مل جائیں۔ ہمارے گھروں کے چراغ گل ہو جائیں فہو المراد۔ لیکن یہ شمع روشن رہے اور ہمیشہ ہمیشہ روشن رہے۔

ظالم کفار دشمنانِ اسلام حبیب بن ارتؓ کو عذاب دیتے دیتے تھک جاتے تو جھنجھلا اٹھتے۔ آتش غیض و غضب تیز تر ہو جاتی۔ اس سوختۂ الفت محمدی

کو گرم پتھروں پر سے اُٹھا کر آگ کے انگاروں پر لٹا دیتے تھے۔

یاسرؓ۔ ان کی نیک بیوی سمیہ اور اُن کے لڑکے عمارؓ ایمان لائے گوناگوں عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ ایک روز سرورِ دو عالم نبی اکرمؐ ادھر سے گذرے تو دیکھا کر ابوجہل ان تینوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہا ہے۔ حضورؐ نے زبانِ مبارک سے فرمایا۔ اصبروا یا آلِ یاسر فانّ موعدکم الجنۃ۔ (یاسر والو صبر کرو تمہارا مقام جنت ہے۔) اے ایمان والو یہ جملہ یہ وعدہ یہ پیغام یاسر والوں پر ختم نہیں ہوتا۔ آج بھی یہ بات برحق ہے۔ ہر اس صاحبِ ایمان کے لیے جو راہ حق میں تنگیاں اور سختیاں اُٹھائے۔

مسلمانو دُنیا آنی جانی ہے۔ دو دن زندگانی ہے۔ یہ بُرے بھلے حالوں ایک دِن کٹ جانی ہے عاقبت کا سودا بہترین سودا ہے۔

سینکڑوں لونڈی غلام جو ایمان لائے۔ عذابوں مصیبتوں اور اذیتوں سے دوچار ہوئے۔ لونڈی غلام کس شمار قطار میں اہلِ عرب تو اپنے گوشت پوست کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے تھے۔

عثمان بن عفانؓ کو خدا اور رسولِ خداؐ پر ایمان لانے کی سزا میں سگے چچا کھجور کی صف میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیا کرتے تھے مصعب بن عمیرؓ کی ماں نے ان کو اسی جرم میں گھر سے نکال دیا تھا۔ اکثر صحابہ کرام کو اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا۔

یہ تھے وُہ طرح طرح کے عذاب جو مسلمانوں پر نازل کئے جاتے اور مساوات کا کیا ذکر خود حبیبؐ خدا ان سفاکیوں سے نہ بچتے تھے۔ حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ دروازہ پر گندگیاں پھینکی جاتیں۔ دورانِ نماز میں اذیتیں پہنچاتے۔ ایک مرتبہ سجدہ کی حالت میں رسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پشتِ مُبارک پر گندگی سے بھرا اُونٹ کا اوجھ ڈال دیا۔ جو حضورؐ کی صاحبزادی سیدہؓ فاطمۃ الزہرہؓ نے اپنے دستِ مُبارک سے ہٹایا۔

جب اس طرح کام نہ چلا اور خُدا کا پیامی پیام خُدا پہنچائے چلا گیا تو سب مفسد سر جوڑ کر بیٹھے۔ سوال یہ پیش تھا کہ باہر سے آنے والوں کو رسُولِ مقبولؐ کی طرف سے کس طرح بدظن کیا جائے۔

ایک فاطر العقل دیوانہ بولا کہ حضورؐ کو دیوانہ بتایا جائے۔ لیکن یہ بات کچھ بنی نہیں اور رد کردی گئی۔

پھر ایک مشرک توہم پرست نے تجویز کیا کہ آپؐ کو کاہن قرار دیا جائے۔ لیکن یہ داؤں بھی نہ چلا۔

انجام کار یہ قرار پایا کہ مکہ آنے والوں کو یہ جتایا جائے کہ رسُولِ خُدا کی باتیں تفرقہ انداز ہیں۔ باپ بیٹے میں فساد اور میاں بیوی میں نفاق ڈلواتی ہیں۔ ان سے دُور رہنا بہتر۔ باوجود اس کے بڑے بڑے وفد آئے اور ایمان لائے۔

اللہ اللہ اس ہستی پاک کو بُرا بتانے والے خود اس کی خوبیوں کے معترف

ہیں۔ بھلائی وہ جو دشمن کو نظر آئے۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔

مسلمان یہ سختیاں کب تک برداشت کرتے۔ یہ مصیبتیں کب تک جھیلتے ان آفتوں میں کب تک بسر کرتے جب پانی سر سے گذر گیا۔ اذیتوں اور تکلیفوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تو رسولِ خدا نے صحابہ کرام کو اجازت دی کہ جو چاہے حبشہ ہجرت کر جائے۔

اہلِ قریش نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار تک گئے۔ پر دھتکارے گئے۔ ادھر سے مایوس ہوئے تو ادھر جال پھیلایا۔ اس غنی کو مال و دولت کا لالچ دیا۔ عزت کا پاسا شاہِ دوسرا کو عرب کی بادشاہت پیش کی۔

حبیبِ خدا میں حُبِ جاہ نہ تھی۔ طالبِ عقبیٰ طلبگارِ دنیا نہ تھا۔ پیش کش ٹھکرا دیا۔ دنیا والوں کو بتا دیا کہ حقیقی عزت حق کی حمایت میں ہے۔ لالچ دینے والوں کو صاف جواب دے دیا کہ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پہ چاند لا رکھو تو بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا۔ اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان جاتی رہے۔

کاش ہم کو بھی خدا بطفیلِ محمدؐ ایسی توفیق عطا فرمائے۔

ہم سونے کی زنجیروں میں جکڑے پڑے ہیں۔ ہم طلبِ مال کے جال میں پھنسے ہیں۔ ہم ہوسِ جاہ کی راہ میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

مسلمانو۔ دو دن کی مال و دولت۔ دُنیا کی جاہ و عزت۔ اولاد کی محبت۔ یہ سب ہے آنی جانی۔ وُہ عزت حاصل کرو جسے دوام ہے۔ وُہ دولت حاصل کرو جسے قیام ہے۔ دِل میں وُہ محبت پیدا کرو جو دین میں کام آئے۔ یہ تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج اس طرف کل اُس طرف۔

سکندر ہے نہ دارا ہے نہ قیصر ہے نہ کسریٰ ہے ۔۔۔ یہ بیت المال ملک بے وفا بے دوام اُرتا گھر ہے

نہ در جام ہے ساقی نہ اندر دِل ہوس مانده ۔۔۔ بیا ساقی کہ ایں ویرانہ از بسیار کس مانده

نبوت کے چھ سال گذر چکے تھے۔ دشمن اپنی سعی کر رہے تھے۔ دوست اپنی سعی مخالفتِ اسلام بھی جاری تھی اور تبلیغِ اسلام بھی۔ کہ ایک دن رسُولِ خُدا کوہ صفا پر بیٹھے تھے۔ ابوجہل آیا پہلے تو حضورؐ کو گالیاں دیں۔ آپؐ چپ سنا کئے۔ جاہل کو جواب نہ دیا۔ اس خموشی سے ابوجہل جھلا اُٹھا اور سرورِ دو عالمؐ کے سر پر پتھر کھینچ مارا۔ جس کی وجہ سے خون جاری ہو گیا۔ یہ خبر آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو پہنچی۔ اُن کو غصہ آ گیا۔ ابوجہل کے گھر گئے۔ اور اس کے سر پہ اس زور سے کمان کھینچ کر ماری کہ وُہ سر زدر زخمی ہو گیا۔ پھر بھتیجے کے پاس آئے اور کہا تم کو یہ سنکر خوشی ہو گی کہ تمہارا بدلہ مَیں نے ابوجہل سے لے لیا۔ بھتیجے نے جواب دیا۔ چچا مَیں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ خوش تو یہ سُنکر ہوں گا کہ آپ نے خدا کی آواز سن لی۔ اور اسلام لے آئے۔ تبلیغ بے لوث تھی۔ بات خدا لگتی۔ کچھ دِل کو جا لگی۔ اسی

وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمرؓ۔ رسولِ خداؐ کو قتل کرنے جاتے ہیں۔ راستہ میں معلوم ہوتا ہے کہ سگی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے۔ پہلے اُن کی خبر لو۔ بگڑ کر ادھر جاتے ہیں۔ بہن کو تلاوتِ کلامِ پاک کرتے پاتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو خوب مارتے ہیں۔ بہن کہتی ہیں میرے ماں جائے تو بھی تو ذرا وہ کلام سُن لے جس کو سُن کر ہم ایمان لائے۔ یہ راضی ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کے ایک صحابی جو اس وقت گھر میں موجود تھے لیکن چھُپ گئے تھے۔ اللہ کا پہلا رکوع تلاوت فرماتے ہیں۔ یہ بگڑا ہوا شیر بکری ہو جاتا ہے۔ اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جھومتا اور روتا ہے۔ شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے۔ قتل کرنے کو آئے ایمان لائے۔

وُہ اللہ کا کلام جسے سُنکر حضرت عمرؓ ایمان لائے اور بعد میں فاروقؓ کہلائے۔ آج بھی ہمارے پاس جوں کا توں موجود ہے۔ لیکن ہماری زبانوں میں اثر نہیں۔ دلوں میں سوز و گداز نہیں۔ سچے مسلمان قبروں میں پڑے سوتے ہیں۔ اسلام بند اپنی کتابوں میں پڑا ہے۔

بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے ہے خوشی انکو کہ کعبہ کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

توحید ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ کعبہ کا نگہبان آسمان پر بیٹھا ہے۔ اپنے کلام کا محافظ وہ خود ہے۔ ہم دُنیا کے کُتّے کیا اُس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ مسلمانو اپنی فکر کرو۔ دُنیا تم کو مٹا رہی ہے۔ اور دُنیا کو بھی کیوں مطعون کرو۔ تمہارے اپنے اعمال تم کو تہتر کے ہجوں کو پہنچا رہے ہیں۔ اپنے اعمال درست کرو اپنے افعال درست کرو۔ یاد رکھو تم جیسی بہت سی قومیں ایسی مٹ گئیں جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہُوئی تھیں۔ خدا کا نام تو نہ مٹا ہے نہ مٹے گا۔ اس کی فکر نہ کرو اپنی فکر کرو کہیں تمہارا نام و نشان نہ مٹ جائے۔

گنتی کے مسلمان جب ظالم کفار کے ہاتھوں تنگ آ گئے تو مجبُور ہو کر گھر بار چھوڑ اپنے بال بچوں کو ساتھ لے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا بسے۔ اور یہ چاند مع ستاروں کے تین سال تک وہاں چھپا رہا۔ جب کفار نے اس گھاٹی پر سے پہرے اُٹھائے۔ تو رسُولِ خداؐ باہر آئے اور پھر خدا کا پیامی پیامِ خدا بندگانِ خدا کو سُنانے لگا۔ صاحب نصیب بہرہ مند ہُوئے۔ گم گشتہ راہ گم راہ۔

ضماد عرب کا مشہور جادُوگر مکہ میں آیا۔ لوگوں کی زبانی سُنا محمدؐ پر جن آتا ہے۔ ایک روز سر درد سرلے کے پاس گیا اور کہا۔ کہ مَیں تمہارا جن اتار سکتا ہوں۔ ذرا میرے منتر سُنو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ پہلے تم میری بات سُن لو۔ وہ راضی ہو گیا۔ آپؐ نے کلام پاک میں سے کچھ پڑھ کر سُنایا۔ وہ جادُوگر کہہ اُٹھا۔ نہ یہ شعر ہے۔ نہ جادو۔ نہ منتر ہے۔ نہ ٹونا۔ ایمان لایا مشرف بہ اسلام ہوا۔

اے مسلمانو فخر کا مقام ہے آج فخر الانبیاء تمہارے رسول۔ خیر البشر۔ حبیبِ خدا کو خدا نے اپنے پاس بلایا ہے۔ وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے جو آج تک کسی کو عطا نہیں ہوا تھا۔

گرم حضرت کا یہ بازار تھا معراج کی شب — کہ خدا آپ خریدار تھا معراج کی شب
وہ سرافراز کہ کہتے ہیں جسے روح القدس — آپ کا غاشیہ بردار تھا معراج کی شب
وہ اٹھی گردِ وہ حضرت کی سواری آئی — غل فرشتوں میں یہ ہر بار تھا معراج کی شب
عیاں اس بات کی تھی سب کو کہ پورا ہوا وہ — حق سے جو وعدۂ دیدار تھا معراج کی شب
شمع ایمان کی ضیا فرش سے تھی تا سرِ عرش — بخت اسلام کا بیدار تھا معراج کی شب
جو کہا آپ نے اللہ نے منظور کیا — مہرباں ایزدِ غفار تھا معراج کی شب

نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو

جبرئیل براق لا کے بولے — یا ختم رسل چلو طلب ہے

یہ پیغام پاتے ہی

راہی ہوئے سرورِ دو عالم — خورشید علم ستارہ پرچم
جبرئیل رکاب میں شتاباں — پرواز میں مرکب صبا دم
آئے سوئے کعبہ قبلۂ دیں — اقصےٰ میں تھے انبیاء فراہم
دیکھی جب دور سے سواری — تسلیم کو گردنیں ہوئیں خم
وہ پیش نماز مقتدی سب — یعقوب و خلیل و نوح و آدم

اِس جا سے کیا جو قصدِ افلاک | پایا انجم نے فیضِ مقدم
کرسی پہ گئے جناب والا | بولے ملک آج خوش ہوئے ہم
پہنچے جو قریبِ عرش حضرت | آئی یہ صدائے عرشِ اعظم

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

روایت ہے کہ سواری کے وقت حضرت جبرئیل نے براق کی رکاب پکڑی اور میکائیل نے باگ۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو جیے۔ ہمارے حضورؐ نے اُس گھوڑے کی طرف نظر ڈالی کچھ سوچا اور سر جھکا لیا۔ حکم آیا جبرئیل امین کو کہ پوچھو میرے حبیبؐ کو اس وقت کیا فکر ہے اور طبیعت کیوں ملول معلوم ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے جبرئیلِ امین آج مجھ کو میرے معبود نے یاد فرمایا ہے۔ اپنے پاس بلایا ہے۔ سواری کو براق بھیجا تم کو ہم رکاب بھیجا۔ کل قیامت کے دِن میرے اُمتی قبروں سے نکال کھڑے کیے جائیں گے۔ بھوکے پیاسے۔ ننگے پاؤں کفن لپیٹے یہ راستہ کیونکر طے کریں گے۔ حکم ہوا۔ اے حبیبؐ میرے اس کا غم نہ کر۔ جس پر ہماری نظرِ عنایت ہوگی۔ اِس کی خدمت میں براق حاضر کی جائے گی۔

مُسلمانو قربان ہو جانے کا مقام ہے۔ حبیبِ خدا ہم گناہگاروں کو کس قدر محبوب رکھتے تھے۔ کہ اُمتِ عاصی کا خیال اس وقت بھی دِل سے نہ گیا جبکہ براق سواری کو حاضر تھا۔ جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام خدمت میں موجود۔

اے مُسلمانو اگر ایسے چاہنے والے کا حکم نہ مانو تو افسوس ہے تم پر۔ سچ یہ ہے کہ جب سے تم نے حبیبؐ خدا اپنے سچّے دوست رسُول اللہ کا حکم ماننا چھوڑا دُنیا بھر کے محکوم بن گئے۔

ایمان والو تم خدا کے حکم پر نہیں چلتے۔ تم پر دُنیا والوں کا حکم چلتا ہے۔ ورنہ جو خدا کے آگے سر جھکاتا ہے اس کے سامنے زمانہ سر جھکاتا ہے۔ دوست کی نہیں مانی۔ دُشمنوں کی ماننی پڑی۔ تم نے خدا کے حکم سے مُنہ موڑا۔ دُنیا اور آخرت نے تم سے مُنہ موڑا۔ تم نے خدا سے ناتا توڑا۔ دو جہاں نے تم سے ناتا توڑ لیا۔ ؎ بُت گری پیشہ کیا بُت شکنی کو چھوڑا۔

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا
رسم سلماں و اویس قرنی کو چھوڑا

تم انہی کی اولاد ہو جن کے نام سے قیصر و کسرےٰ تھراتے تھے۔ جن کی ہیبت سے سرفراز سرنگوں ہو جاتے تھے۔ جو ننگے پیر جاتے اور تاج شاہی کو ٹھکرا کر آتے تھے۔ جو اونٹ کی مہار پکڑے ہُوئے داخل ہوتے اور رعنان سلطنت ہاتھ میں لئے نکلتے تھے۔

تم میں اور اُن میں فرق صرف اتنا ہے کہ وُہ خدا کے حکم پہ سر کٹاتے تم اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہو۔ اُن کو حکم خدا عزیز تھا۔ تم کو مال و جاہ عزیز ہے۔ بس یوں سمجھو کہ وُہ دُنیا دے کر دین خریدتے تھے تم دین کے بدلے دُنیا لیتے ہو۔ مسلمانو تم غلط سودا کر رہے ہو۔ اب بھی سنبھل جاؤ یاد رکھو قیامت کے دن

براق صرف اُس کے لیے آئے گی۔ جس پر خُدا کی عنایت کی نظر ہو گی۔ اور خدا کے عنایت کی نظر صرف اس پر ہو گی۔ جس نے خدا اور خدا کے رسُولؐ کا حکم مانا ہو گا۔ جس نے نفس پر کوڑا رکھا ہو گا۔ اور طبیعت پر قابُو۔

اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی جگ جاگت ہے تو سووت ہے۔

جبرئیل امین نے خُدائی مہمان کے سامنے ایک پیالہ شراب کا اور ایک دُودھ کا پیش کیا۔ حبیبِؐ خدا نے دُودھ کا پیالہ لے لیا اور شراب کا چھوڑ دیا۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ہمارا مذہب ہم کو حلال نعمتوں سے محروم نہیں کرتا ہم کو خودی کو قائم رکھنے اور بقائے حیات کا سبق سکھاتا ہے۔ ہمارا مذہب ہم کو زندگی کا راستہ بتاتا ہے موت کی طرف نہیں لے جاتا۔ دین اسلام بھُوکا مرنے کا حکم نہیں دیتا۔ ہم کو زندہ رہنے اور ہوش و حواس کے ساتھ زندہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

اے سمجھ والو غور کرو۔ دُودھ انسان کی فطری غذا ہے۔ دُودھ وُہ شے ہے جس کی تلاش انسان دُنیا میں آتے ہی سب سے پہلے کرتا ہے۔ یہی کیفیت ہمارے مذہب کی ہے۔ وُہ دینِ فطرت ہے اور بقائے انسانیت کے واسطے لازمی۔ طبیعت چھٹتے ہی اس کی تلاش کرتی ہے۔ خوش نصیب پاتے ہیں۔ بدنصیب محروم رہ جاتے ہیں۔

ہمارا مذہب دُور رہے شراب نہیں - ہمارا مذہب بے ہوشی اور خود فراموشی کی تعلیم نہیں دیتا - اپنے مذہب کو سمجھو - اپنے دین کو پہچانو - اپنی حقیقت کو جانو

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے شگاف شرق و غرب
تیغِ بلال کی طرح عیش نیام سے گذر

دین کا منادی دُنیا والوں کو حق کی آواز سناتا تھا - بھٹکے ہوؤں کو سچائی پر راہِ حق پر لاتا تھا - تبلیغِ اسلام جاری تھی - مدینہ سے آنے والوں نے حج کے موقع پر رسولِ خدا کی نصیحتیں سنیں - ایمان لائے اور داعی اسلام کو اپنے دیس بلایا ادھر اہلِ قریش اور مکہ والوں کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تھا - جب اپنی تدبیریں چلتی نہ دیکھتے تو جھنجلا جھنجلا کر مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے - آخر کار حبیبِ خدا نے ہجرت کی اجازت دی اور ایمان والے تھوڑے تھوڑے مدینہ منورہ جانے لگے۔

کفارِ مکہ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور حبیب اللہ والے گھر بار تج مال و دولت چھوڑ ہجرت کرتے تو یہ ظالم اُن کی راہ میں روڑے اٹکاتے اور ظلم ڈھاتے تھے۔

جب ابُو سلمہؓ اپنے بیوی بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہو ہجرت کے ارادہ سے نکلے تو بنو مغیرہ اور بنو عبد الاسد نے آگھیرا اور کہا کہ تو خود جا سکتا ہے پر ہماری لڑکی اور اس کے بچے کو نہیں لے جا سکتا - اس خدا پرست نے بیوی کو بھی چھوڑا اور نہ بچے کو بھی - اے ایمان والو ان لوگوں کو خدا عزیز تھا نہ بیوی

عزیز بچّی نہ بچّہ۔

اب مکہ میں گنتی کے جاں نثار رہ گئے۔ تو راہِ خدا کے مسافر نے خود بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ ادھر ظالموں نے میدان خالی پا کر حضورؐ کے قتل کی دل میں ٹھانی۔ قرار پایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک جوان لیا جائے اور یہ سب آنحضرتؐ کے گھر کو گھیر لیں۔ اور صبح کی نماز کے وقت اپنے قاتلانہ ارادہ پر عمل کریں۔

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است۔ بچانے والا مارنے والے سے بڑا ہے۔ جس وقت یہ مفسدہ پرداز اپنی گھات میں لگے تھے۔ حبیبِ خدا حضرت علیؓ شیرِ خدا کو اپنی جگہ پر سلا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ اور تھوڑا سا سامانِ سفر ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔

مکہ سے چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر پہاڑ کے ایک غار میں یہ دونوں بزرگ تین دن تک چھپے رہے۔ چوتھی رات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں اور ان راستہ دکھانے والوں نے اپنی راہ لی۔

اسلام کا پہلا جمعہ امام الانبیاءؐ نے سفرِ ہجرت میں بنی سالم کے علاقہ میں پڑھا اور خطبہ فرمایا۔

خطبہ

"خدائے تعالیٰ کی حمد و ثناء۔ میں اس سے مدد اور بخشش کا طالب

ہوں۔ اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اور جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ ان سے عداوت رکھتا ہوں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً کوئی معبود نہیں ہے سوائے خدائے واحد کے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بندہ اور رسُول ہے۔

اس نے اپنے رسُول کو ہدایت۔ نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا جبکہ مدتوں سے کوئی رسُول نہ آیا تھا۔ اور دُنیا والوں میں علم کم رہ گیا تھا اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اس آخری زمانہ میں جب دُنیا ختم ہونے والی ہے۔ قیامت نزدیک اور موت قریب ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کی وُہ نیک بخت ہوا اور جس نے حکم سے سرتابی کی وُہ گمراہ ہوا۔ حد سے گذر گیا اور کجروی میں مبتلا۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور یہ بہترین نصیحت ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کر سکتا ہے:

کاش ہم اس خطبہ کو دلیلِ راہ بنائیں۔ اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور خدا کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھیں۔

مسلمانو آج سے تیرہ سو برس پہلے رسُولِ خدا فرماتے ہیں کہ قیامت نزدیک ہے۔ تب تیرہ صدیاں اور بھی گذر گئیں روزِ حشر نزدیک سے نزدیک تر

آ لگا- اور روزِ حشر پہ کیا منحصر ہے۔ تمہاری موت تمہارے سر پر کھڑی ہے- آج مرے کل دُوسرا دن ساتھی بچھڑے جاتے ہیں۔ یہ میلا بچھڑنے والا ہے- آنکھوں دیکھتے کون کون اپنے پرائے قبروں جا سوئے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وُہ کل ہماری باری ہے

باغِ جہاں کی ریت یہی ہے
ایک پھُول کھِلتا ایک کملاتا ہے

کلیاں من میں سوچت ہیں جب پھول کوئی کملاوت ہے

جو دِن یا پہ بیت گیو اب وائی دن مو پہ آوت ہے

آنکھیں بند ہوئیں دُنیا سے ناتا توڑا- عالمِ عمل ختم پھر ہم ہیں اور ہمارے اعمال اے مُسافر سامانِ سفر ٹھیک کرلے- زادِ راہ کا انتظام کرلے۔ ع- جانا ہے واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا۔ سفر کی گھنٹی بجنے کو ہے- قافلہ چلنے کو ہے۔ ع- بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔

اہلِ مدینہ کی آرزو برآئی۔ منادی کرنے والے نے آمد خیر البشر کی خبر سُنائی آج اُن کے ہاں عید ہے۔ اسلام کے چاند نے پہاڑیوں کے پیچھے سے صورت دکھائی۔ گلی گلی بچے گاتے پھر رہے ہیں۔ جوان اور بُوڑھے سرِ راہ راہ دیکھ رہے ہیں۔

حبیبِ خدا مدینہ میں داخل ہوئے - انصار مہاجرین کے مددگار بنے۔
میزبان نے اپنا گھر بار مہمان کے حوالہ کیا - جو کچھ بھی دنیوی ساز و سامان تھا آدھا
آدھا بانٹ دیا - وہ لوگ سچے مسلمان تھے - دل کے غنی - دُنیا کو لٹا کر دین حاصل
کرتے - دین بھی اُن کے لیے تھا - اور دُنیا بھی جنت بھی اُن کے واسطے تھی اور
دُنیا کی بادشاہت بھی - اخوتِ اسلام کو سمجھتے تھے - کلمہ کے شریک کو اپنا شریک
جانتے - مسلمان بھائی کو اپنے ماں جائے سے بڑھ کر مانتے تھے ۔

جب کوئی مہاجر مکہ سے آتا تو انصار میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا ۔
کہ وہ کس کے گھر مہمان ہو - آخر کار قرعہ اندازی ہوتی اور آنے والا جس کے نصیب
میں آتا وہ خوش نصیب سمجھا جاتا تھا ۔

جس خدا کو وہ مانتے تھے - اُسی کو ہم مانتے ہیں - جس تعلیم نے اُن کو یہ
بھائی چارہ سکھایا اُس کے آج ہم وارث ہیں - جو خوبیاں اُن میں تھیں - آج
ہم میں اگر نہیں تو پیدا ہو سکتی ہیں - اس لیے کہ سامان سب موجود ہے ایک
آنچ کی کسر ہے - جذب اسلام کے دیوانہ شمع اسلام کے پروانہ ہم بھی بن سکتے
ہیں - اگر اُس شمع ہدایت سے لو لگا لیں ۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر — شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

ہمارے نبی کو مدینۃ النبی آئے دو سال نہ گذرے تھے کہ اہل قریش اہل

اسلام پر حملہ کرنے چل کھڑے ہوئے ادھر بھی خدا کا حکم آیا۔ کہ لڑنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس لیے کہ اُن پر ظلم کیا گیا۔ اور اللہ بیشک اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے وطنوں سے بلا وجہ صرف اس لئے نکال دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ کہتے تھے۔ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر خدا آدمیوں کے ذریعہ سے آدمیوں کو نہ دُور کرے تو یقینی گرجا۔ کلیسا اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے ڈھا دیئے جائیں۔

مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے لڑنے کی اجازت دی گئی۔ اس لیے کہ وہ مظلوم تھے گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن کیے گئے تھے۔ اگر مسلمان نہ لڑتے تو دُنیا بھر کے مذاہب پامال کر دیے جاتے۔ مذہبی آزادی ختم ہو جاتی۔

حکمِ خدا پا کر رسُولِ خدا نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ انہوں نے کہہ دیا ہم مسلمان۔ جاں نثار ہیں اور ہر ایک حکم ماننے کو تیار۔ دُوسری دفعہ پھر پوچھا یہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد ہوا۔ ایمان والوں نے وہی عرض کیا۔ اب انصار کو خیال گذرا کہ شاید بار بار سوال سے رسُولِ خدا ہمارا جواب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی جانب سے سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ شاید حضورؐ نے یہ سمجھا کہ انصار اپنے شہر سے باہر نکل کر حضورؐ کی مدد کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے میں انصار کی طرف سے یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ ہم تو ہر حالت میں حضورؐ کے

ساتھ ہیں۔ کسی سے معاہدہ فرمائیے۔ کسی کے معاہدہ کو نامنظور کیجیے۔ ہمارے مال سے جس قدر چاہے لیجیے۔ جو چاہے ہم کو عطا کیجیے۔ مال کا وہ حصہ جو حضورؐ ہم سے لے لیں گے۔ ہم کو زیادہ پسند ہوگا۔ اس مال سے جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ ہم کو جو حکم ہوگا اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر ہمارے ہادی عمران کے چشمہ تک چلیں گے۔ تو ہم کو ساتھ پائیں گے۔ اگر سمندر میں گھس جانے کا حکم ہوگا۔ تو ہم منہ نہ موڑیں گے۔

ادھر ابوجہل کفار مکہ۔ دشمنان اسلام اور ناموران عرب کو لے نام و نشان اسلام مٹانے چلا۔

اٹھے تھے پہلوانانِ عرب زور آزمائی کو
خدا کے بالمقابل جمع کر کے کج ادائی کو
یہ مشرک جا رہے تھے حق پرستی کے مٹانے کو
یہ آندھی چل رہی تھی شمع ہستی کے بجھانے کو

(حفیظ)

ادھر حق کا سپہ سالار حق پرستوں کو ساتھ لے روانہ ہوا۔

عجب انداز سے آئے خدا کے چاہنے والے
زبانیں خشک پوشاکیں دریدہ پاؤں میں چھالے
نہیں تھا تین سو تیرہ سے آگے تو شمار اُن کا
سنا ہے کہ اُنکے ساتھ تھا پروردگار اُن کا

(حفیظ)

یہ سب ماہ و انجم میدان بدر میں آکر جمع ہوئے۔

بدر کا ذرہ ذرہ اپنی سوختہ سامانی سے تڑپ اُٹھا۔ دشت عرب کا دل جذبہ

میزبانی سے تڑپ اُٹھا۔ ریگِ دشت سُوئے فلک دیکھنے لگی۔ کف دست صحرا نے دستِ دُعا دراز کیا اور کہا۔

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئیگا
کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائیگا

خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھیریں گے
شہید آرام فرمائینگے غازی آ کے ٹھیریں گے

خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرہ جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشہ میں مصفّا حوض بھر رکھتا

یہ تر او نٹ و گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غُسل فرماتے

برائے چند ساعت ابر باراں بھیج دے یا رب
بہاراں بھیجدے یا رب بہاراں بھیجدے یا رب

(حفیظ)

صحرائے تشنہ لب کی دُعا سے ابرکرم کو جوش آیا اور

کالی کالی گھٹائیں چھانے لگیں   بجلیاں رنگیں اڑاتے لگیں

پیرِ فلک نے دربائے آبدار کا سہرا غازیوں کے سر باندھا۔ ساقی کوثر کے پیارے۔ پیاسے ساتھی سیراب ہو کر سو رہے۔ مگر وُہ راتوں کو جاگنے والا۔ اُمت کا دُعا گو رسُولِ خدا سجدے میں پڑا دُعا مانگ رہا تھا۔

مسلمانوں کو نصرت دے مسلمانوں کو عزت دے

کرم کر اُن پہ مولا اُن کی خالی جھولیاں بھر دے

آخر کار سپہ سالارِ فلک نے سپاہ شب کو شکست دی۔ نور تاریکی پر غالب آیا۔ صُبح ہو گئی۔ مسلمانوں کے سر سجدوں سے اُٹھے۔ سر فروشوں کو سردار سوئے

میدان سے چلا۔ بشیر و نذیر نے شہادت کی بشارت مرنے والوں کو دی۔ نوید فتح و نصرت غازی لڑنے والوں کو دی۔ کفار کے کٹنے مرنے کے مقام مقرر فرما دیے

اب میدانِ جنگ آراستہ ہوا۔ مسجدوں کے نمازی راہ حق میں صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ رکوع و سجود کے عادی کمر بستہ ہو گئے۔ سر جھکانے والے سر کٹانے آ گئے۔ اسلام کے معمار کفر کی عمارت ڈھانے آ گئے۔

اُدھر شیطان کے ساتھی صف بصف کھڑے تھے۔ اِدھر اللہ کے بندے سر بکف کھڑے تھے۔ اُدھر شیطان پر تکیہ۔ اِدھر ایمان پر تکیہ۔

نہ اُن کے پاس ڈھالیں تھیں نہ خنجر تھے نہ بھالے تھے

خدا کے نام پر سینہ سپر اللہ والے تھے۔

اُدھر فوج سیاہ بخت میں طبلِ سیہ دِل نے سینہ کوبی شروع کی۔ ادھر جوشِ شہادت اُن کے سینوں میں اُمنڈ آیا۔

عتبہ معتوب بارگاہِ الٰہی اپنے بیٹے اور بھائی کو لے کر میدانِ جنگ میں نکل آیا۔ خاک میں ملنے والا سر اُٹھا کر بولا۔

مسلمانوں تمہاری آج بنیادیں ہلا دوں گا نشان اسلام کا دُنیا کے پردہ سے مٹا دوں گا

اِدھر سے تین انصار۔ اسلام کے جاں نثار۔ خدا کے وفادار آگے بڑھے۔ انہیں دیکھ کر مغرور عتبہ پکارا کہ میں ان یثربی چرواہوں سے لڑنے نہیں آیا۔ قریشی نسل کے مدمقابل کیوں نہیں آتے۔ یہ تینوں واپس بلا لیے گئے اور اب مہاجرین

میں سے حضرت علیؓ۔ حضرت عبیدہؓ۔ اور حضرت حمزہؓ میدان میں آئے۔

خدا کے شیر تھے بھیڑوں سے کیا ڈرتے۔ اسلام کا نام بلند کرنے والے کسی سے نیچا کیا دیکھ سکتے تھے۔ دم کے دم میں کفار دم توڑ رہے تھے۔ شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے۔

اب لشکرِ کفار میں کہرام بپا تھا۔ جی داروں کے جی چھٹے تھے۔ مردِ میدان میدان میں آنے سے گھبرا رہے تھے۔ اب آگے آنے سے کفار دم چرانے لگے۔

ابوجہل نے جب یہ حال دیکھا تو پکارا۔

جوانو ان نہتوں سے اگر تم پٹ کے جاؤ گے

تو اپنوں کو بھلا کیا خاک جا کر منہ دکھاؤ گے

ڈانٹا ڈپٹا اور للکارا۔ بمشکل اس مغلوب ہونے والی سپاہ کو جنگِ مغلوبہ پر آمادہ کیا۔ اب ناری بھڑک اُٹھے اور شعلوں کی طرح ایک سے ایک آگے بڑھنے لگا۔ اس قادرِ مطلق کے قادر اندازوں نے اُن کا تیروں سے مقابلہ کیا پھر تلوار چلنے لگی۔ مسلمان کفار کو پکی ہوئی کھیتی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ زمین لہولہان ہو گئی تھی۔ ایمان والے جامِ شہادت پی پی کر سرخرو جا رہے تھے۔ دشمنانِ ایمان خاک و خون میں لوٹتے نظر آ رہے تھے۔

بھالوں کے پھل تھے۔ اور نونہالوں کے سینہ۔ غازیوں کی تلواریں تھیں اور دغابازوں کے سر۔ تیغِ دو دم دم نہ لینے دیتی تھی۔ کوئی دم توڑ رہا تھا۔

کوئی دم واپسی کا منتظر تھا۔

ہر مسلمان حق شجاعت ادا کر رہا تھا۔ ایک ایک تین تین سے لڑ رہا تھا۔ نہتے ہتھیار بندوں کے سامنے اڑے تھے۔ برہنہ تن زرہ پوشوں کے مقابل کھڑے تھے۔

اب رسولِ خدا نے ایک مٹھی خاک اُٹھائی اور لشکرِ کفار کی طرف پھینک دی۔ ایک اندھیاؤ اٹھا اور کفار بھاگتے نظر آئے۔

ترمذی میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ میں چرچا ہوا کہ۔ ای الاعمال احب الی اللہ۔ اللہ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس پر سورۃ صف نازل ہوئی۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص۔ تحقیق اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو جنگ کریں اس کی راہ میں صفیں باندھ کر۔ گویا وہ ایسی دیواریں ہیں جن میں سیسہ پلایا گیا ہے۔

اسی سورۃ میں آگے چل کر فرمایا ہے۔ اے ایمان والو کیا میں تم کو بتاؤں ایسی تجارت جو سخت عذاب سے تم کو نجات دلوائے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ یہ ہے اچھا تمہارے واسطے اگر تم سمجھو۔ اس سے معاف ہوں گے تمہارے گناہ اور داخل ہو گے تم باغوں میں۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور داخل ہو گے تم اچھے گھروں اور باغوں میں۔

اے مسلمانو کیا یہ سُنکر بھی تمہارے دلوں میں جوشِ جہاد پیدا نہیں ہوتا۔ جنتیں۔ باغ اور نہریں تو ایک طرف کیا صرف خوشنودیٔ خدا اس قابل نہیں کہ ہم جان و مال سب اس پر قربان کردیں۔ کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ جہاد کرنے سے ہم اُس کے محبوب بن جائیں گے جس کے ہاتھ میں دُنیا و ما فیہا ہے۔

مسلمانو یہ جان ایک نہ ایک دن جانی ہے۔ پھر راہِ خدا میں کیوں نہ جائے اگر غور کرو تو بڑا سستا سودا ہے۔ اسی کی دی ہوئی امانت اس کو واپس دیتے ہیں۔ اور اس کے محبوب بنتے ہیں سو نفع میں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بخاری میں ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ (قیل ای الناس افضل؟ فقال مومنٌ یجاہدُ فی سبیل اللہ بنفسہٖ و مالہٖ) آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ افضل آدمی کون ہے؟ فرمایا وُہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے اور فرمایا جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صبح یا شام تمام دُنیا اور اس کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ اور ان ساری چیزوں سے افضل ہے۔ جن پر سُورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔

جن بزرگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کی تھیں اگر بعد میں اُن سے کوئی لغزش ہوئی تو رسولِ خدا نے سزا نہ دی۔ اور فرمایا کہ کیا عجب ہے کہ ان جاں نثاروں کی تمام اگلی پچھلی خطائیں اس غفور الرحیم نے بخش دی ہوں

اللہ اللہ ایک عمل کے بدلے ہیں یہ اکرام۔ مبارک ہے وُہ عمل اور مُبارک ہیں اس پہ عمل کرنے والے۔

مسلمانو تم بُزدل نہیں۔ بودے نہیں۔ تم مردِ میدان ہو۔ لڑنے مرنے والے ہو تمہاری شجاعت۔ دلیری اور بے جگری کو دُنیا مانتی ہے۔ میدانِ کارزار میں تم بھیجے جاتے ہو۔ گولیوں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی جھنکار میں شیر جاتے ہیں۔ بکریاں نہیں۔ تم شیر ہو۔ اپنی حقیقت کو پہچانو۔

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے شگاف شرق و غرب

تیغِ بلالؓ کی طرح عیشِ نیام سے گذر

الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ بھائیو۔ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے اور تلوار ہماری گھٹی میں پڑی ہے۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

ہم ان بہادروں کے نام لیوا ہیں۔ ہم اُن جی داروں کی نشانی ہیں جو تھے۔

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

ہمالہ کوہ ہیں واقعات اُن کے ازبر
نشاں اُنکے باقی ہیں جبرالٹر پر

ہم اُن کی اولاد ہیں جو اپنی اولاد جہاد میں خوشی خوشی بھیجتے تھے۔ ہم اُن اسلام کے مالیوں کے نام لیوا اور پانی دیوا ہیں جنہوں نے اپنے نونہال کٹوا کر باغِ اسلام سیراب کیا۔ ہم اُن شہیدوں اور غازیوں کی نشانیاں ہیں جن کے نام

سے نام و نشان اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ وہی خون ہماری رگوں میں ہے اور وہی جوش ہمارے سینوں میں۔ ایمان والو مرنے کے لیے تو ہم پیدا ہوئے ہیں۔ موت سے ہم کھیلتے ہیں ڈرتے نہیں۔ ہم کو وُہ سر عزیز ہے جو اسکی راہ میں کٹے۔ ہم کو وُہ جان پیاری ہے جو راہِ حق میں جائے۔ مُبارک ہیں وُہ مائیں جن کی اولاد جہاد میں کام آئے۔ مُبارک ہیں وُہ جوان جو خون میں نہا کر اپنے مولا کے سامنے جائیں۔

اس خوں چکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں   پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ۔ آج وُہ خیر البشر جو خیر اور شر میں امتیاز کرانے آیا تھا وُہ ہادی جو سیدھے راستہ پر لگانے اور ٹیڑھے سے بچانے آیا تھا۔ دین اسلام اور کلام الٰہی تمہیں سونپ تم میں سے چلا گیا۔ وُہ راتوں کو جاگنے والا۔ آج ہمیشہ کو سو گیا۔ وُہ آنکھ جو اُمتِ عاصی کے لیے آنسوؤں کے دریا بہاتی تھی آج بند ہو گئی۔ وُہ دریائے کرم جو اُمت کی سوکھی کھیتی کو پانی دیتا تھا نہ رہا۔ کالی کملی والا نہ رہا۔ دُنیا اندھیر ہو گئی۔ وُہ بدر کا مجاہد جس نے ایک مٹھی خاک سے لشکرِ کفار کو پسپا کر دیا۔ آج تہ خاک ہے۔ مسلمانو تم کو خیر الامم کہلوانے والا خیرباد کہہ گیا۔ انسانوں کو فرشتوں کا مرتبہ بخشنے والا انسانوں میں سے اُٹھ گیا۔ مذہب کو تمہارے واسطے آسان بنانے والا نہ رہا۔ اب تمہاری مشکل ہے۔ آج تمہارے لیے یومِ حشر ہے۔ شافع محشر نہ رہا۔ اللہ کا محبوب اللہ کو پیارا ہو گیا۔ دین اسلام کلام الٰہی نعمت لامتناہی تمہیں سونپ گیا۔ اس پر عمل کر دیکھیے

مسلمان بن جاؤ۔ اسلام پہ جان و مال قربان کرو۔ رسُولِ خدا پہ درُود و سلام بھیجو۔

یا ربِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھم!

بھیج یا رب مرے درود و سلام برگزیدہ نبی پہ اپنے مدام!

آپ ہیں سلطانِ مدینہ۔ ھبط وحی السکینہ نور سے معمور سینہ۔ مشک سے بہتر پسینہ

یا نبی سلام علیک یا رسُول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک

لائیں جو ایمان تم پہ۔ کیوں نہ دیں وہ جان تم پہ مہرباں رحمٰن تم پہ۔ خلق سب قربان تم پہ

یا نبی سلام علیک۔ یا رسُول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک

ہجر میں مشکل ہے جینا۔ دِل ہوا چاک اور سینہ۔ تھامیے میرا سفینہ۔ یا شفیع المذنبینا

یا نبی سلام علیک۔ یا رسُول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک۔ صلوات اللہ علیک

نزولِ رحمت پاکستان میں پہلی بار زیرِ طباعت آئی ہے۔ اِس سرزمین کے اس وقت حالات پریشان کن ہیں۔ مشرقی پاکستان جُدا ہو چکا ہے۔ مغربی حصّہ اندرونی خلفشار کا شکار ہے۔ سرحدوں پر ایک روباہ خصال دشمن سے گاہ گاہ جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ ایک حد تک یہ برِّصغیر بین الاقوامی سیاست کی بساط پر ایک مہرہ بنا ہوا ہے۔ ماہر شاطر اپنے اپنے رُخ کی چالیں چل رہے ہیں۔ قوم نے اتنے نقشے بنتے بگڑتے دیکھتے ہیں کہ اب زِچ آ گئی ہے۔

عام صورتِ حال یہ ہے کہ ایک دُوسرے کو اس ابتری کا ذمّہ دار قرار دیتا ہے۔ اپنے اعمال پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔ عوام خواص کو ذمّہ دار قرار دیتے ہیں۔ خواص ایک دوسرے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اجتماعی حیثیت سے اس کے ذمّہ دار ہیں اور جواب دہ۔

اِس صُورتِ حال میں راقم الحروف ایک روز اپنے محترم کرم فرما مرتضےٰ صدیقی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ جاڑا گذر چکا تھا۔ صاحبِ موصوف سے جب بوقتِ رخصت مصافحہ کیا۔ تو ہاتھ یخ ہو رہے تھے۔ احقر نے وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ ملک و قوم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جب میں اپنی عاجزی اور لاچاری کا احساس کرتا ہوں تو یہی کیفیت ہو جاتی ہے۔

نیاز مند واپسی میں بھی سوچتا رہا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ گھر آ کر بھی یہی خیالات ذہن پر طاری رہے۔ تیسرے پارہ میں اللہ کے کلام میں نظر آیا۔ ربِّ قدیر نے فرمایا ہے۔ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔ سوچا کہ یہ کام سہل ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ کیوں نہ اس راہ پر گامزن ہوا جائے۔ اور قوم کو بھی اس جانب مائل کیا جائے۔ اسی زمانہ میں زیرِ نظر کتاب کی کتابت ہو رہی تھی۔ ملک اسرار صاحب اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس جو اہلِ دل میں سے ہیں اُن سے ذکر آیا۔ صاحب موصوف نے فرمایا کہ نزولِ رحمت میں بھی چند سطور تحریر کر دُوں۔ تعمیلِ حکم کر رہا ہوں۔ ملک صاحب بھی اس کارِ ثواب میں شریک ہیں۔

بندہ نواز قوم کے تیور جہاں تک غلام سمجھا ہے کچھ اس قسم کے ہیں کہ بداعمالیاں ان سے ترک نہیں کرائی جا سکتیں۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو لیکن میرا یہی خیال ہے۔ ہاں ان کو راہِ خدا میں مرنے پر راضی کیا جا سکتا ہے انشاءاللہ یہ سینہ تان کر جائیں گے۔ ماریں گے اور مر جائیں گے۔ جبکہ گناہوں سے یہ باز نہیں آئیں گے۔ تو پھر اللہ کی نظرِ کرم ان کی جانب مبذول کرانے کی صرف یہی راہ ہے کہ انہیں اتباعِ سُنّت پر مائل کیا جائے۔ اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور کرم فرمائے گا۔

اسلام میں رحمتوں کی بارش رحمت اللعالمین کے طفیل سے ہے۔ اور اس کی راہ اتباعِ سُنّت ہے۔ زندگی کے ہر فعل و عمل میں ہم اللہ کے حبیب کی پیروی کر کے نزولِ رحمت کو دعوت دے سکتے ہیں۔ اس کام میں نہ کسی سے تصادم ہے نہ کوئی دقّت حائل۔ بہت سستا اور بڑے فائدہ کا سودا ہے۔ نہ کریں تو ہماری بدنصیبی ہے۔

شمائل ترمذی کا مطالعہ اس سلسلہ میں راہبری کر سکتا ہے۔ ورنہ محلّہ کی مسجد کے مُلّا سے اگر رجوع کر لیں تو وہ بھی سب کچھ بتا سکیں گے۔

قارئین سے دست بستہ درخواست ہے کہ اتباعِ سُنّت کے پابند ہو جائیں۔ انشاءاللہ اُن کے گھروں پر رحمتوں کی بارش ہوگی۔ اُن کے شہروں پر ہوگی اُن کے ملک پر ہوگی۔

سائیں انکھیاں ٹیڑھیاں تو بیری ملک جہان
سائیں انکھیاں سیدھیاں تو جھک جھک کریں سلام

خواجہ محمد شفیع دہلوی

سبق آموز اور بصیرت افروز مکاتیب کا نادر مجم

اندازِ سخن

یہ کتاب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا مناظر احـ
مولانا قاری محمد طیب، مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا ابوالاعلیٰ
نواب سعید احمد خاں چھتاری، نواب محمد اسماعیل خاں قائد اعظمؒ کے یارِ غار نواب جمشید علی خاں، جسٹس ایس
مسٹر قدرت اللہ شہاب، علامہ علاؤ الدین صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، مسٹر مختار مسعود، بیگم نظامی،
اور ایسے ۴۶ مشاہیر علما، صلحا، فضلا، ادبا کے دینی، علمی، ادبی، اصلاحی، سیاسی اور تاریخی
پر مشتمل ہے جو وہ وقتاً فوقتاً معروف مصنف منشی عبدالرحمن خاں مہتمم عالمی ادارہ اشاعت
خاں کو مختلف مسائلِ زندگی پر لکھتے رہے۔

دینی دانش کے اس مرقع میں زندگی کی ان راہوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر چل
سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے اور فوز و فلاح کی اس منزل تک پہنچتا ہے جس کے بعد اسے دُ
دوڑنا نہیں پڑتا خود دُنیا اس کے تعاقب میں رہتی ہے۔ ان خطوط کے ذریعہ وہ شخصیات
منظرِ عام پر آتی ہیں جن سے قائدِ اعظمؒ نے دینی بصیرت حاصل کی اور وہ حقائق بھی پہلی د
آئے جو قائدِ اعظمؒ نے ان سے بیان فرمائے۔ جس صاحبِ فراست سے قائدِ اعظمؒ زیادہ متا
جنہوں نے دراز قد قائدِ قائدِ اعظمؒ کو تن تنہا لحد میں اُتارا۔ اُن کے ۴۸-۱۹۴۷ء کے
پاکستان کے مستقبل کے متعلق جس قدر پیش گوئیاں درج ہیں، وہ حرف بحرف صحیح ثابت

• حسین سرورق • آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت • سائز ۲۲×۱۸/۸ • ضخامت

قیمت روپے

تخلیق مرکز ○ ۲۳ اے، شاہ عالم گیٹ